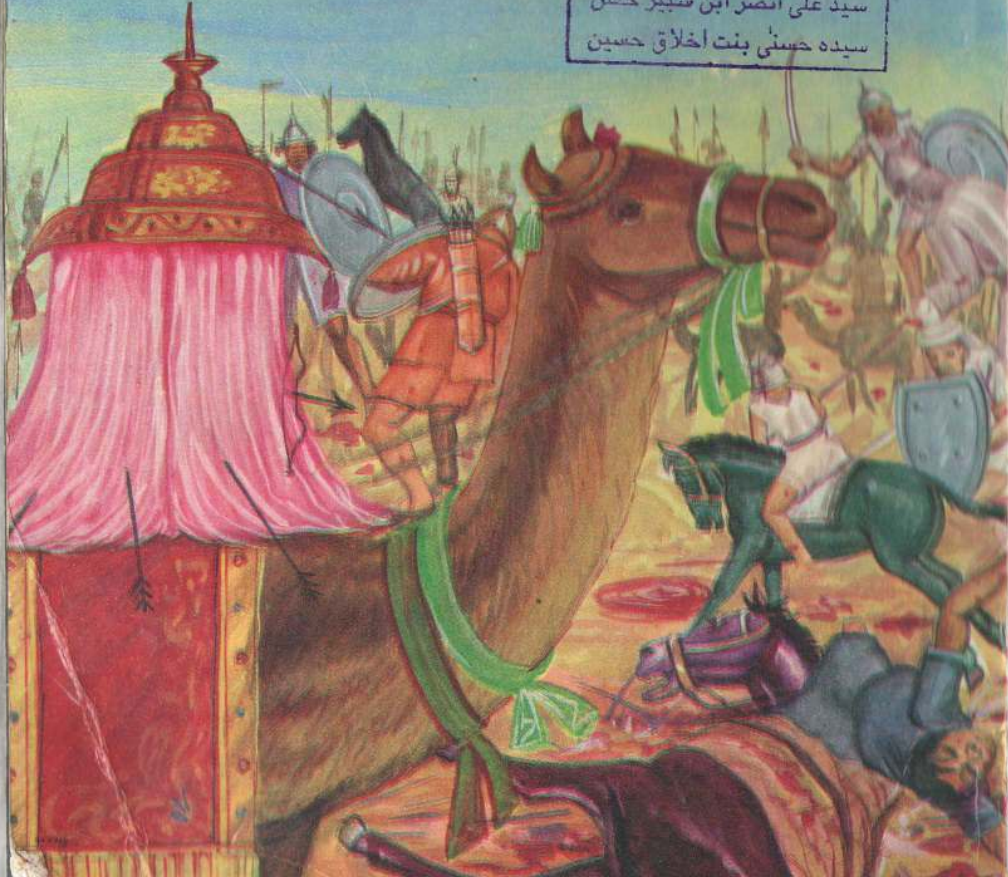
حضرت عائشہ کی تاریخی حیثیت

مولف: فروغ کاظمی

برائے ایصال ثواب
سید نثار حسین ابن رمضان علی
اختر النساء بنت علی جان
سید علی انصر ابن شبیر حسن
سیدہ حسنی بنت اخلاق حسین



حضرت عائشہ کی تاریخی حیثیت — مصنف: فروغ کاظمی

حضرت عائشہ
کی
تاریخی حیثیت

مؤلف

فروغ کاظمی

ناشر

ادارۂ تہذیب و ادب، میدان ایلچی خاں لکھنؤ۔۳

برائے ایصال ثواب
سید نثار حسین ابن سید رمضان علی
اختر النساء بنت سید علی جان
سیدہ حسنی بنت اخلاق حسین

نام کتاب	عائشہ کی تاریخی حیثیت
نام مولف	فروغ کاظمی
تعداد اشاعت	ایک ہزار
سن اشاعت	۱۴۱۶ھ ہجری مطابق ۱۹۹۵ء
ھدیہ	۴۵ روپئے

ناشر

ادارہ تہذیب وادب ۳۹۲/۹۰/۸ خمینی لین - میدان ایچ خاں لکھنؤ۳

ملنے کے پتے

عباسؑ بک ایجنسی رستم نگر، درگاہ حضرت عباسؑ لکھنؤ۔۳

انتساب

ام المومنین

ماریہ قبطیہ کے نام

جن کا معصوم فرزند

ابراہیمؑ

ام المومنین عائشہ کے

رشک وحسد کا

شکار ہوگیا

فروغ کاظمی

فہرست مضامین

بسمہ تعالیٰ

حرفِ آغاز

حجۃ الاسلام مولانا سید زاہد احمد صاحب قبلہ رضوی
سکریٹری امیرالمومنین ٹرسٹ لکھنؤ

ام المومنین حضرت عائشہ کی تاریخی حیثیت بڑی ہی عجیب نظر آتی ہے مسلمانوں کی ماں کا کردار اسلامی معاملات میں بہت ہی مشکوک لگتا ہے کیونکہ علماء اہلسنّت نے اپنی تاریخ اور سیر کی کتابوں میں جو واقعات رقم کئے ہیں وہ خود موصوفہ کے تلون مزاج کا اعلان کر رہے ہیں۔

حضرت عائشہ کی ازدواجی زندگی کے حالات بھی مختلف نظر آتے ہیں مزاج کا "چڑچڑا پن" "حاسدانہ رویہ" اور "اقوال و افعال" کا اختلاف بڑی شد و مد سے دکھائی دیتا ہے۔

اقوال کا اختلاف خود حضرت عثمان کے واقعہ قتل میں یوں نظر آرہا ہے کہ جو محترمہ قتل سے قبل کہہ رہی تھیں کہ اس "نعثل" کو قتل کر دو کیونکہ یہ کافر ہوگیا ہے بعد قتل حضرت عثمان سے متعلق اپنا انداز یہ کہہ کر بدل دیتی ہیں کہ عثمان مظلوم قتل کئے گئے۔

محمدؒ بن ابی بکر کو جب معاویہ کی سازش سے مصر میں قتل کر دیا گیا اور ان کی لاش کو خچر کی کھال میں لپیٹ کر نذر آتش کر دیا گیا تو ان بی بی نے معاویہ کے لئے بددعا شروع کر دی مگر جب امام حسنؑ کو معاویہ کے بھیجے گئے زہر سے شہید کیا گیا تو انہی خاتون نے بنی امیہ کی مدد سے جنازے کو روضہ رسولؐ میں دفن نہ ہونے دیا اور مروان نے جنازے پر تیر برسائے۔

مسلمانوں کی یہ تلون مزاج ماں جب اپنے شوہر نامور حضرت پیغمبرؐ سے ناراض ہوتیں تو برجستہ کہتیں کہ "کیا آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں" اس قول کے بعد سیر کی کتابوں میں رسول مقبولؐ سے محترمہ کی محبت کا بیان بھی کچھ عجب انداز کا ملتا ہے۔

حضرت فاطمہ زہراؑ کے سلسلے میں محبت بھرے الفاظ بھی تاریخ میں ملتے ہیں مگر علاً فاطمہؑ کو اذیت دینا بھی ملتا ہے۔ حضرت خدیجہؑ کے ذکر پر چراغ پا ہونا اور حضرت علیؑ سے علاً برسرپیکار رہنا تو کتابوں میں خوب نظر آتا ہے۔

حضرت علیؑ سے عام مسلمانوں کی بیعت کے بعد ان خاتون کا مکہ معظمہ سے طلحہ و زبیر کے ساتھ لشکر جمع کر کے نکلنا اور پھر یہ کہنا کہ میں تو مسلمانوں میں صلح کرانے کے لئے نکلی تھی یہ عمل کا تضاد نہیں تو اور کیا ہے اگر صلح کرانا تھی تو مکہ کی مقدس سرزمین سب سے بہتر تھی وہیں مسلمانوں کو جمع کر کے صلح کرا دیتیں یا پھر مدینہ جا کر قبر رسولؐ کے نزدیک سب کو اکٹھا کر کے صلح کا حکم دیتیں۔

مزاج کے چڑچڑے پن کا یہ عالم تھا کہ جنگ جمل میں خاتمہ جنگ کے بعد جب ہودج کے قریب جا کر عمارِ یاسرؒ نے اماں کہہ کر سلام کیا تو عمارؒ سے کہا میں تمہاری ماں نہیں ہوں جبکہ عمارؒ کا جرم یہ تھا کہ وہ لشکر علیؑ میں شریک تھے اور اماں عمارؒ سے اس لئے خفا تھیں کہ ان کی وجہ سے اماں کے لشکر کو لڑنے میں مشکل پیش آرہی تھی کہ کہیں عمارؒ قتل نہ ہو جائیں کیونکہ عمارؒ کے لئے رسولؐ نے فرمایا تھا کہ اے عمارؒ تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا۔

یہ واقعات اور بہت سے واقعات تاریخ کی مختلف کتابوں میں بھرے پڑے ہیں مگر اردو زبان میں یہ نہ ہونے کے برابر تھے محقق بصیر جناب فروغ کاظمی نے اردو زبان میں "ام المومنین حضرت عائشہ کی تاریخی حیثیت" لکھ کر یہ کمی پوری کر دی۔ موصوف نے یہ کتاب لفاظی پر مبنی داستان کے طور پر نہیں لکھی بلکہ ٹھوس تاریخی حوالوں اور مضبوط دلیلوں کے ساتھ بڑی محنت سے واقعات کو اکٹھا کیا

جس وجہ سے کتاب کا مطالعہ کرنے والا کوئی شخص بھی یہ شکوہ نہیں کر سکتا کہ کتاب میں کسی کی دل آزاری کی گئی ہے۔

فروغ صاحب کی شاعری میں جانی پہچانی شخصیت تو بہت پہلے سے تھی مگر ایک مولف کی حیثیت سے کتاب تفسیر کربلاء لکھنے کے بعد پہچانے گئے اور کتاب "المرتضیٰؑ" کے جواب میں "الخلفاء" کی دو جلدیں تالیف کیں جس سے ان کی یہ صلاحیت اور بھی آشکار ہوئی "الخلفاء" نے دشمنان اہلبیتؑ کو یہ یقین دلا دیا کہ شیعوں میں ابھی مضبوط قلم کے ایسے باصلاحیت افراد باقی ہیں۔

فروغ صاحب کی چوتھی کتاب حضرت عائشہ کی تاریخی حیثیت کے نام سے منظر عام پر آرہی ہے جس کے پڑھنے کے بعد یہ اندازہ ہوگا کہ اس کتاب کی تالیف میں موصوف کو کتنی مشکلات پیش آئی ہیں کیونکہ یہ کتاب ایک ایسی ذات کے سلسلہ میں لکھی گئی ہے جنھیں زوجیت رسولؐ کا شرف بھی حاصل ہے اس کا پاس رکھنا بھی انہی مشکلات میں سے ایک مشکل ہے پھر مسلمانوں کی ماں ہیں اس کا خیال بھی ہر وقت رکھنا پڑا بہر حال اس کتاب میں اماں کے حالات رقم کر کے فروغ صاحب نے ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا کر دیا۔

یہاں یہ بات بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ شاید کچھ لوگ اس کتاب کے سلسلے میں یہ کہیں کہ ایسی کتاب شائع کر کے "اتحاد بین المسلمین" کو نقصان پہنچایا گیا ہے یہ خیال اس وقت صحیح نظر آتا جب فروغ صاحب نے محترمہ کے سلسلے میں اپنے خیالات رقم کئے ہوتے موصوف نے تو مسلمانوں کی معتبر کتابوں کے حوالہ سے واقعات درج کئے ہیں تو یہ خیال تو ان معتبر کتابوں کے مصنفین کو کرنا چاہئے تھا۔ جن میں خود امام بخاری بھی شامل ہیں۔ تاریخی حقائق پیش کر دینے سے اتحاد کو نقصان نہیں پہنچتا بلکہ غلط فہمیاں دور ہوتی ہیں۔

یہ کتاب بہت پسند کی جائے گی اور اس کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے تاکہ حقائق سے واقفیت ہو سکے۔

کتاب کی طباعت کا کام بڑا دشوار گذار مرحلہ ہوتا ہے اور قدم قدم پر زر کثیر کی ضرورت ہوتی ہے اور مشکلات کا سامنا اس مرحلہ پر مولانا علی عباس صاحب طباطبائی کے حوصلہ کی داد دینا بھی ضروری ہے جنھوں نے قوم کے لئے بہت نایاب کتابیں شائع کر کے کارنمایاں انجام دیا اب ارباب قوم کا فرض ہے کہ وہ مولفین اور ناشرین کی ہمت افزائی کریں اور اس عظیم کار خیر میں حصّہ لے کر ثواب عظیم حاصل کریں افراد قوم کتابیں خریدیں خود اپنے لئے بھی اور دوستوں کو تحفہ دینے کے لئے بھی۔

آخر میں میری دعا ہے کہ خداوند عالم فروغ صاحب کے زور قلم میں اضافہ کرے اور ان کی پانچویں کتاب "تفسیر اسلام" بہت جلد تحریر کی منزلوں سے گذر کر منظر عام پر آجائے جس سے ایک اہم ضرورت بھی پوری ہو جائے۔

والسلام

خاکپائے اہلبیتؑ

زاہد احمد رضوی

سکریٹری ادارہ امیرالمومنینؑ

لکھنؤ

عرضِ مولف

جو لوگ پڑھتے رہتے ہیں حالات کی کتاب
ان کو یہ چاہیے کہ کتابیں لکھا کریں

(ڈاکٹر حضور نواب)

بظاہر یہ ایک سادہ سا شعر ہے، لیکن اس میں جو پیغام ہے اور پیغام میں جو وسعتیں ہیں وہ لامحدود ہیں۔ حالات، انفرادی ہوں، اجتماعی ہوں یا تاریخی، — بہرحال حالات ہیں۔ انفرادی حالات اگر تقدیر کی گردش سے وابستہ ہیں تو وہ دوستوں اور عزیزوں کو متاثر کرتے ہیں، اجتماعی حالات اگر ناسازگار ہیں تو وہ معاشرہ پر اثرانداز ہوتے ہیں، البتہ تاریخی حالات ایسے ہوتے ہیں جو معلومات میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں۔ میری یہ کتاب جو "حضرت عائشہ کی تاریخی حیثیت" کے نام سے آپ کے سامنے آرہی ہے، اُن معتبر، سچے اور مستند تاریخی حالات کا نچوڑ ہے جنھیں سوادِ اعظم کے علماء نے اپنی کتابوں میں تحریر کئے ہیں۔

کتاب کی تالیف کے دوران میرا ذہن اس احساس سے خالی نہیں رہا کہ ام المومنین کی شخصیت عالم اسلام میں ایک ایسی چنگاری ہے جو ذرا سی لغزش میں بھڑکتا ہوا شعلہ بن سکتی ہے کیونکہ ان کی خطاکاریوں کو بھی اجتہاد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس لئے میں نے اپنے قلم کو قابو میں رکھتے ہوئے بڑی احتیاط سے کام لیا ہے اور کوشش اس بات کی کی ہے کہ ان کے سلسلے میں وہی حالات و واقعات برادران اہلسنّت کی عظیم کتابوں سے اخذ کئے جائیں جو تاریخی اعتبار سے مستحکم، مسلّم اور ٹھوس ہوں۔

یہ بات بھی واضح کردوں کہ میری یہ کتاب صرف تاریخی حقائق کا ایک مختصر سا

مجموعہ ہے اس کی تالیف کا مقصد ملت مسلمہ یا اس کے کسی فرقہ کی دل آزاری ہرگز نہیں ہے۔

میں اپنے تمام قارئین کرام کا شکرگزار ہوں کہ جنھوں نے میری تالیفات الخلفاء حصّہ اول، تفسیر کربلا اور الخلفاء حصّہ دوم کی کامیابی پر مجھے خطوط لکھ کر میری حوصلہ افزائی کی۔

میں حجۃ الاسلام مولانا سید زاہد احمد صاحب قبلہ کا انتہائی ممنون و متشکر ہوں کہ موصوف نے میری درخواست پر اپنی بے پایاں مصروفیات کے باوجود اپنی قیمتی رائے اور گراں قدر مضمون کو اس کتاب میں بطور پیش لفظ شامل فرما کر اس کو زینت بخشی اور قدم قدم پر میرے معین و مددگار رہے۔ اور میں متشکر ہوں عالی جناب مولانا آئی۔ ایچ رضوی صاحب کا جنھوں نے اس کتاب کی صحت اور عدم صحت پر خصوصی توجہ صرف کی۔ خداوند عالم میری اس حقیر کوشش کو شرف مقبولیت عطا فرمائے۔

خاکپائے اہلبیتؑ

فروغ کاظمی

۷، ربیع الاول ۱۴۱۶ھ ہجری (۱۹۹۵ء)

الحمد للہ ربّ العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وآلہ الطّیبّینَ الطّاھرین۔

امّا بعد

حضرت عائشہ

احادیث، روایات اور تاریخ کے مجازی پردوں میں لپٹی ہوئی ام المومنین حضرت عائشہ کی تہ دار اور پراسرار شخصیت عالم اسلام میں محتاج تعارف نہیں، ہر شخص جانتا ہے کہ آپ خلیفۂ اوّل (حضرت ابوبکر) کی تلوّن مزاج بیٹی، اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گستاخ اور نافرمان بیوی تھیں، نیز آپ کی نسوانی سرشت میں، رشک، حسد، جلن، نفرت، عداوت، خصومت، شرارت، غیبت، عیب جوئی، چغل خوری، ہٹ دھرمی، خودپرستی، کینہ پروری اور فتنہ پردازی کا عنصر بدرجۂ اتم کارفرما تھا۔

رسولؐ کی زوجیت، اور خلقِ عظیم کی "صحبت" سے سرفراز ہونے کے باوجود آپ کا دل، عرفانِ نبوت سے عاری و ناآشنا تھا۔ آپ کی نگاہوں میں، نبیؐ اور نبوت کی قدر و منزلت یہ تھی کہ جب آپ آنحضرتؐ سے کسی بات پر ناراض ہو جاتیں اور آپ کا پارہ چڑھ جاتا تو حضورِ اکرمؐ کو نبی کہنا چھوڑ دیتی تھیں بلکہ "ابراہیم کا باپ" کہہ کر مخاطب کیا کرتی تھیں[1]۔ جسارتوں اور

[1] بخاری ج ۶ ص ۱۵۸۔

گستاخیوں کا یہ حال تھا کہ ایک بار آپ نے پیغمبرؐ سے جھگڑے کے دوران یہ بھی کہہ دیا کہ:۔

"آپ یہ گمان کیوں کرتے ہیں کہ میں اللہ کا نبیؐ ہوں[1]" (معاذ اللہ)

نبیؐ کو نبی نہ سمجھنے والی۔ یا۔ نبیؐ کی نبوت میں شک کرنے والی شخصیت، کیا اسلام کی نظر میں مسلمان ہے؟ اس کا فیصلہ محترم قارئین خود فرمالیں، کیونکہ۔ بات، صاف اور واضح ہے۔

بہرحال، حضرت عائشہ کے بارے میں تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ازواج کی صف میں قدم قدم پر پیغمبرؐ کے لئے کرب، اذیت اور کشمکش کی دیواریں کھڑی کرنا آپ کا مشغلہ اور معمول تھا، جس میں حضرت حفصہ بنت عمر آپ کی معین و مددگار اور سہیم و شریک رہتی تھیں، چنانچہ ایک بار ان دونوں فرمانبردار بیویوں نے آپس میں سازباز کر کے آنحضرتؐ کے خلاف ایسا بیہودہ منصوبہ تیار کیا جس سے تنگ و پریشان ہو کر سرکار دو عالمؐ نے اللہ کے حلال امر کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور یہ کربناک سلسلہ ایک معینہ مدت تک قائم رہا، جیسا کہ بخاری میں مرقوم ہے:۔

"رسولؐ اللہ نے ایک ماہ تک ازواج سے کوئی ربط و تعلق نہیں رکھا اور علیحدہ چٹائی پر سوتے رہے[2]"

یہاں تک کہ خدا کو اپنے حبیبؐ سے یہ پوچھنا پڑا:۔

"اے نبی! تم نے اپنے اوپر اس چیز کو کیوں حرام کر لیا ہے جسے تمہارے پروردگار نے تم پر جائز کر رکھا ہے۔ کیا تم اپنی بیویوں کی مرضی چاہتے ہو؟" (تحریم/۱)

اس واقعہ سے صحابہ میں بھی یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضورؐ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے[3]۔ حالانکہ یہ خبر غلط اور بے بنیاد تھی۔ صرف عائشہ اور حفصہ کے بارے میں اللہ کا یہ ارشاد تھا:۔

[1] احیاء العلوم غزالی ج ۲ ص ۲۹ [2] بخاری ج ۳ ص ۱۰۵ [3] معالم التنزیل ص ۹۰۹، تفسیر درمنثور ج ۵ (مصر) ص ۱۹۴، ۱۹۵، شرح ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۱۵۹

"اے رسول! ان دونوں میں سے جسے چاہیں آپ (اپنی زوجیت سے) علٰحدہ کردیں اور جسے چاہیں اپنی پناہ میں رکھیں۔" (احزاب/۵۰)

مگرام المومنین کو مومنین کے پروردگار کی یہ بات سخت ناگوار گزری۔ چنانچہ آپ تڑپ کر اٹھیں، پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور گستاخ آمیز لہجہ میں فرمایا:۔

"میں نے اللہ کو آپ ہی کی نفسانی خواہشات کے بارے میں تعجیل کرتے دیکھا ہے۔[1]"

عائشہ کی اس گستاخی اور بے ادبی پر قدرت کا انداز گفتگو بدلا اور آیت ان الفاظ میں نازل ہوئی:۔

"اگر تم دونوں (عائشہ وحفصہ) میرے رسولؐ کی مخالفت میں ایک دوسرے کی اعانت کرتی بھی رہو تو کچھ پروا نہیں۔ خدا، جبریل ملائکہ اور صالح المومنین اسکے معین ومددگار ہیں۔" (تحریم/۴)

اور یہ تنبیہ بھی کردی کہ:۔

"تم دونوں اپنی حرکتوں سے باز آؤ اور توبہ کرو کیونکہ تمھارے دلوں میں کجی پیدا ہوگئی ہے۔" (تحریم)

پھر آخر میں یہ سخت وارننگ بھی دے دی کہ:۔

"اگر میرا حبیب تمھیں طلاق بھی دے دے گا تو میں اسے تم سے بہتر بیویاں عطا کروں گا، جو ایمان دار، مطیع، فرمانبردار، عبادت گزار اور توبہ کرنے والیاں ہوں۔" (تحریم)

خلیفۂ ثانی عمر بن خطاب کا قول ہے کہ یہ آیتیں عائشہ وحفصہ کے لئے نازل ہوئی ہیں۔[2] اور میرا قول ہے کہ سورۂ تحریم اللہ کی طرف سے عائشہ وحفصہ پر عتاب بن کر نازل ہوا ہے، نیز آخر الذکر آیت سے یہ صراحت بھی ہوتی ہے کہ عرب کے مسلم معاشرے میں اس وقت عائشہ وحفصہ

[1] بخاری ج ۶ ص ۱۲۸ [2] بخاری ج ۶ ص ۶۹ - ۷۱

سے بدرجہا بہتر حسین وجمیل اور خوبصورت عورتیں موجود تھیں جو مومنہ بھی تھیں، ایمان دار بھی تھیں، مطیع وفرمانبردار بھی تھیں اور عبادت گزار وتوبہ کرنے والیاں بھی تھیں جبکہ اللہ کی نظر میں عائشہ وحفصہ ان صفات سے متصف نہیں تھیں۔

سورۂ تحریم۔ عقیدت مندان عائشہ کی اس خیال کی بھی تردید کرتا ہے جو اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ حساب کتاب کے بغیر سیدھی جنت میں چلی جائیں گی کیونکہ وہ رسولؐ کی بیوی تھیں!!

اسی سورہ کی دسویں آیت میں پروردگار نے نوحؑ اور لوطؑ کی بیویوں کی مثال سے یہ صراحت فرمادی کہ اعمال صالحہ کے بغیر محض زوجیت کا شرف عورت کو کوئی فیض نہیں پہنچا سکتا، خواہ اس کا شوہر نبی یا رسول ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ ارشاد ہوا:۔

"یہ دونوں (نوحؑ اور لوطؑ کی بیویاں) ہمارے (نیک) بندوں کے تصرف میں تھیں، لیکن انھوں نے اپنے شوہروں سے دغا کی تو ان کے شوہر (اعتاب خدا کے سامنے) ان کے کچھ کام نہ آئے اور ان دونوں کو حکم ہوا کہ جہنم میں جانے والوں کے ساتھ تم بھی داخل ہوجاؤ۔" (تحریم/۱۰)

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی صاف ہوجاتا ہے کہ نبی کی بیویاں دغاباز اور فریب کار بھی ہوسکتی ہیں۔ البتہ وہ عورتیں جو مطیع فرمانبردار، مومنہ، اطاعت گزار اور عبادت گزار ہیں یا وہ عورتیں جو اعمال صالحہ کی امین ہیں، ان کے لئے خداوند عالم نے قرآن میں آسیہ زن فرعون کی مثال کے ساتھ ان کا قول بھی نقل کیا ہے[1]۔ اور دوسری مثال مریم بنت عمران کی پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

"مریم نے اپنے ناموس کو محفوظ رکھا تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی اور اس نے اپنے پروردگار کی باتوں کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرمانبرداروں میں تھی۔" (تحریم/۱۲)

سورۂ تحریم میں۔ اگر ایک طرف اللہ کی جانب سے عائشہ وحفصہ پر عتاب کا تسلسل

[1] تحریم آیت ۱۱ -

ہے تو دوسری طرف مومنہ، صالحہ اور فرمانبردار عورتوں کی تسلّی وتشفّی کا سامان بھی فراہم کیا گیا ہے۔ اگر ایک طرف قسموں کے کفارہ، توبۃ النصوح کا تذکرہ ہے تو دوسری طرف کفارہ کی تشبیہہ اور جہاد وغیرہ کا حکم بھی ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ایسا لگتا ہے کہ اس سورہ کا پورا پس منظر پیغمبر اسلام کی خانگی اور ازدواجی زندگی سے وابستہ اور مربوط ہے؛

ظاہر ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی شادی شہزادی عرب حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے ہوئی اور ان کی حیات میں آپ نے کوئی دوسرا عقد نہیں فرمایا۔ پچیس[25] برس تک جناب خدیجہ طاہرہ آپ کی رفیقہ حیات، دکھ سکھ کی ساتھی اور معین ومددگار ہیں۔ پچیس سال کے بعد۔ جب آپ کی عمر پچاس برس کی تھی تو موت کے ہاتھوں نے اس پر عظمت وباوقار خاتون اور وفادار وفرمانبردار بیوی کو آپ سے جدا کردیا۔ اس المناک حادثہ کے بعد۔ صرف تیرہ برس آپ اور اس دنیا میں زندہ رہے۔ اسی تیرہ سال کے عرصہ میں آپ نے یکے بعد دیگرے پندرہ ازواج کو اپنے ایوان زندگی میں داخل کیا۔ ان عورتوں میں کچھ کنیزیں، کچھ مطلقہ اور بقیہ ساری عورتیں بیوہ تھیں۔

ان مسلسل ومتواتر شادیوں کا مقصد وہ ہرگز نہیں تھا جو عام طور پر کسی عورت کے لئے کسی مرد کے دل میں ہوتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام شادیاں مصلحت الٰہی اور بصیرت نبوی کا نتیجہ تھیں، کیونکہ آنحضرتؐ، دینی پیشوا اور مذہبی رہنما ہونے کے علاوہ ایک ابھرتی ہوئی اسلامی سلطنت کے تاجدار وسربراہ بھی تھے۔ اس لئے اسلام کے تبلیغی امور میں آسانیوں اور سہولتوں کے پیش نظر، آپ عرب کے مختلف وبااثر قبیلوں میں ازدواجی رشتے قائم کرکے ان کی کافرانہ ومشرکانہ سرشت پر مہر ہدایت ثبت کرنا چاہتے تھے دوسرے یہ کہ آپؐ چونکہ انسانیت کے علمبردار اور حقوق بشری کے محافظ بھی تھے اس لئے مردوں کے حقوق میں ارتقائی جدوجہد کے ساتھ اپنے "ایثار وعمل" کے ذریعہ عورتوں کے حقوق اور نسوانی وقار کو بھی اتنا سربلند، محکم اور پائدار کردینا چاہتے تھے کہ آپ کے بعد آنے والا زمانہ عورت کو ذلیل، پست اور کمتر سمجھنے یا اس کے حقوق کو پامال کرنے کی کوشش نہ کرے۔

اگر آپ کو الٰہی مصلحتوں کے ساتھ ساتھ محتاج کنیزوں، لاوارث بیواؤں اور غریب و

نادار عورتوں کا خیال یا ان کے حقوق کا پاس ولحاظ نہ ہوتا تو شہزادی خدیجہؑ کے بعد آپ ہرگز کوئی دوسرا عقد نہ فرماتے۔ اپنی پُرآلام اور مشغول ترین زندگی کے آخری تیرہ سالہ دور میں آپ نے مسلسل وپے در پے شادیاں کرکے عورت کے لئے شرعی وقانونی حد بندی کی، ازدواجی رشتے کے تقدس کا اعلان کیا اور عدل ومساوات کا ایک ایسا نظام دنیا کے سامنے پیش کیا کہ جس کے بعد قیامت تک کسی قانون یا نظام کی ضرورت نہ محسوس ہو۔ اور حضورؐ کے فرض منصبی کا تقاضہ بھی یہی تھا۔

پیغمبر اسلام نے اپنی ازواج کے لئے الگ الگ حجرے بنوا دئے تھے اور ان کی باری کے دن بھی مقرر فرمادئے تھے تاکہ ہر ایک کے پاس ایک ایک رات بسر ہوسکے اور کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ لیکن ان ازواج سے آپ کو وہ سکون وہ اطمینان، وہ سکھ، وہ چین، وہ آرام، وہ راحت، وہ شادمانی اور وہ کامرانی نہ مل سکی جو اپنی مرحومہ بیوی حضرت خدیجہؑ سے ملی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے جناب خدیجہ کا ذکر اس انداز سے کرتے کہ آپ کی آنکھیں نم ہوجاتیں۔

خلق عظیم کی زبان مبارک پر بار بار اپنی مرحوم بیوی کا تذکرہ اس بات کی محکم دلیل ہے کہ انھوں نے اپنے عظیم شوہر کے دل پر، مکارم اخلاق وحسن کردار، سچی، پرخلوص اور غیر فانی محبت، ایثار وقربانی، اطاعت وفرمانبرداری اور محبوبیت وعشوہ طرازی کے جو نقوش پچیس سال کی زوجیت ورفاقت کے دوران مرتب کئے وہ مٹائے نہ مٹ سکے اور پندرہ بیویوں کی "مجموعی خدمتیں" ان نقوش کے مقابلے میں اپنا ایک نقش بھی مرتب نہ کرسکیں۔

پیغمبری زبان سے خدیجہؑ کا ذکر سن کر دیگر ازواج کے دلوں پر کیا گزرتی؟ تاریخ چپ ہے۔ مگر عائشہ وحفصہ کے بارے میں تاریخ کا اعلان یہ ہے کہ حضرت خدیجہ کے نام سے ان پر رشک وحسد کی بجلیاں گر پڑتیں۔ جیسا کہ بخاری کتاب النساء میں خود عائشہ کے بیان سے ظاہر ہے:۔

"میں رسولؐ اللہ کی کسی بیوی سے اتنا نہیں جلی، جتنا کہ خدیجہؑ سے۔ کیونکہ رسولؐ اللہ اٹھتے بیٹھتے ان کا ذکر اور ان کی تعریف کیا کرتے تھے۔"

اوراسی بخاری "باب مناقب خدیجہ" میں عائشہ ہی سے یہ روایت بھی ہے :۔

"میں نے پیغمبرؐ کی ازواج میں کسی پر اتنا رشک نہیں کیا جتنا کہ خدیجہؓ پر، حالانکہ میں نے خدیجہ کو دیکھا بھی نہیں لیکن پیغمبرؐ ہر وقت ان کا تذکرہ کرتے اور جب گوسفند ذبح کرتے تو گوشت کے حصے ان کی سہیلیوں میں تقسیم کرتے تھے[1]"

بخاری ہی میں حضرت عائشہ سے یہ روایت بھی ہے :۔

"خدیجہ کی بھانجی ہالہ[2] نے پیغمبرؐ کی خدمت میں باریابی کی اجازت چاہی، ان کی آواز اور لب و لہجہ، خدیجہؓ کے لب و لہجے سے بالکل ملتا تھا، سن کر آپ بے چین ہوگئے، اس بے چینی پر مجھے بیحد رشک ہوا، میں نے کہا، آپ قریش کی بڑھیوں میں اس بڑھیا کو کیوں یاد کرتے ہیں، جس کی باچھیں سُرخ تھیں اور جو موت سے ہمکنار ہوئی ۔ خدا نے آپ کو اس سے بہتر بیوی عطا کی ہے "

کاش بخاری زندہ ہوتے ۔ اور میں ان سے یہ پوچھتا کہ آپ نے "باب مناقب خدیجہ" میں ام المومنین عائشہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ :۔

"میں نے خدیجہ کو نہیں دیکھا" اور روایت بالا میں، آپ ہی عائشہ کا یہ قول بھی نقل فرماتے ہیں کہ :۔

"وہ سرخ باچھوں والی تھیں" آخر کیوں ؟

ان دونوں اقوال میں کون سا قول صحیح ہے اور کون سا غلط ۔ ؟ اگر پہلا صحیح ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ دوسرا غلط ہے ۔ اور — اگر دوسرا قول صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلا غلط ہے ۔ اس غلطی اور جھوٹ کا فطلمہ کس کی گردن پر ہے ؟ آپ کی یا عائشہ کی ...؟

مسند احمد بن حنبل میں بھی لفظوں کے الٹ پھیر سے یہ روایت مرقوم ہوئی ہے اور جہاں عبارت تمام ہوئی ہے وہاں یہ لفظیں بھی مذکور ہیں :۔

"یہ سن کر پیغمبرؐ کا چہرہ اس طرح متغیر ہوگیا جیسا کہ نزول وحی کے وقت

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۲۱۰ [2] بعض مورخین نے ہالہ کو جناب خدیجہ کی بہن بتایا ہے ۔

متغیر ہو جاتا تھا[1]"

یہ روایت بھی کتابوں میں مرقوم ہے کہ عائشہ کی گفتگو سُن کر پیغمبرؐ نے فرمایا :۔

"خدا نے مجھے ہرگز ان سے (خدیجہؓ سے) بہتر بیوی عطا نہیں کی ۔ وہ اس وقت مجھ پر ایمان لائیں جب تمام لوگ میرے منکر تھے، اس وقت انھوں نے میری رسالت کی تصدیق کی جب سب مجھے جھٹلا رہے تھے، اس وقت انھوں نے مجھے مال و زر سے سہارا دیا جب سب نے مجھے محروم کر رکھا تھا اور خدا نے مجھے ان کے بطن سے اولاد عطا کی جب میں کسی دوسری بیوی کی اولاد سے محروم تھا[2]"،

حضرت خدیجہؓ سے عائشہ کے رشک و حسد پر مبنی یہ تمام روائتیں ایسی کتابوں سے ماخوذ ہیں جو عقیدت مندان عائشہ کے لئے حجت ہیں اور ان روایتوں سے صاف ظاہر ہے کہ رسولؐ اکرم کی زبان پر خدیجہؓ کا تذکرہ اور ان کی سہیلیوں کے ساتھ حسن سلوک، عائشہ کی حاسدانہ سرشت پر بہت ہی شاق گزرتا تھا ۔ چنانچہ بعض روایات سے یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ اس معاملے میں حضرت عائشہ اکثر و بیشتر آنحضرتؐ سے گستاخیوں اور طعنہ زنی کی مرتکب بھی ہوئیں اور پیغمبرؐ نے ان پر دل کھول کر لعنت بھی کی ۔

پیغمبرؐ ۔ خدیجہؓ اور عائشہ کے ذیل میں میری یہ گفتگو ضمنی نہیں بلکہ "ربط کلام" کے تحت تھی ۔ اب ۔ میرے محترم قارئین وہ واقعات بھی ملاحظہ فرمائیں جو نزول تحریم کا سبب بنے ۔

پہلا واقعہ ۔ جس کا اجمال یہ ہے کہ رسولؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک بیوی زینب بنت جحش تھیں، جو آپ کے لئے شہد مہیا کیا کرتی تھیں ۔ چنانچہ آپؐ ان کے گھر تشریف لے جاتے اور تھوڑی دیر بیٹھ کر شہد نوش فرماتے تھے ۔ یہ معمول تھا ۔ اور چونکہ زینب تمام ازواج میں سب سے زیادہ حسین و جمیل اور خوبصورت تھیں اس لئے حضرت عائشہ کو ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا کہ کہیں ایسا نہ ہو، حضورؐ کی مکمل توجہ زینب ہی کی طرف مبذول

---

[1] مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۰ ۔ ۱۵۴ بروایت موسیٰ بن طلحہ [2] مسند احمد ج ا ص ۱۱۷، ترمذی ص ۲۴۷، سنن ابن ماجہ ج ا ص ۳۱۵، بخاری ج ۲ ص ۱۷۷ و ج ۴ ص ۳۶ ۔ ۱۹۵ ۔ ابن کثیر ج ۳ ص ۱۳۸، کنز العمال ج ۶ ص ۲۲۴

ہو جائے ۔ لہٰذا انھوں نے حفصہ کو اعتماد میں لیا اور کافی غور و فکر کے بعد ایک منصوبہ تیار کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ آنحضرتؐ کے دل کو اس شہد کی طرف سے پھیر دیا جائے تاکہ روز روز آپ کا زینب کے یہاں جانا چھوٹے ۔ اسکیم کے تحت عائشہ اور حفصہ کے درمیان یہ طے ہوا کہ شہد نوشی کے بعد جب رسولؐ اللہ زینب کے گھر سے تشریف لائیں تو ان سے یہ کہا جائے کہ آپ کے دہن سے مغافیر[1] کی بو آرہی ہے ۔

غرض کہ دوسرے دن جب پیغمبرؐ اسلام شہد نوش فرما کر زینب کے گھر سے حفصہ کے گھر میں وارد ہوئے تو محترمہ نے دور ہی سے ناک سکوڑی اور منھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا کہ یا رسولؐ اللہ! آپ کے دہن سے مغافیر کی بو آرہی ہے ۔ ! پیغمبرؐ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا :۔

معلوم ہوتا ہے کہ تم شہد کی خوشبو اور مغافیر کی بدبو کے فرق سے ناآشنا ہو !

پھر آپؐ عائشہ کے یہاں گئے، انھوں نے بھی اسی حرکت کا مظاہرہ کیا ۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تو صرف شہد نوش کیا ہے مغافیر سے اس کا کیا تعلق ؟ اس پر عائشہ تڑپ کر بولیں کہ شہد کی مکھیوں نے مغافیر کے پھول چوسے ہوں گے ۔ !

مختصر یہ کہ رسولؐ اکرم نے عائشہ کو بار بار یہ یقین دلانے کی سعی فرمائی کہ میں نے صرف شہد پیا ہے مغافیر سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، مگر ان معظمہ نے اپنے منصوبے کے ساتھ آسمان سر پر اٹھا لیا تھا اس لئے خاموش کیونکر رہ سکتیں تھیں جب تک مقصد پورا نہ ہوتا ۔ آخر کار پیغمبرؐ کو یہ وعدہ کرنا پڑا کہ آیندہ میں وہ شہد نوش نہیں کروں گا مگر اس شرط کے ساتھ کہ یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہو ورنہ زینب کی خاطر شکنی ہوگی ۔ مگر عائشہ کا ہاضمہ اس قوت سے محروم تھا جو کسی بات کو ہضم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے ۔ پیٹ میں مڑور پیدا ہوا اور موقع ملتے ہی حفصہ کے سامنے جا کر سب کچھ اگل دیا[2] ۔

دوسرا واقعہ ۔ ماریہ قبطیہ (مادر ابراہیم) کا ہے ۔ ایک رات حضرت حفصہ

---

[1] مغافیر ۔ ایک شیریں اور بدبودار گوند جسے اکثر عرب استعمال کرتے تھے ۔ [2] بخاری ج ۳ ص ۱۲۸، تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۳۱

بنت عمر اپنی باری پر غیر حاضر تھیں ۔ اس لئے کہ وہ اپنے میکے گئی ہوئی تھیں ۔ گھر اکیلا تھا پیغمبرؐ نے وہیں آرام کا ارادہ کیا اور حفصہ کی جگہ ماریہ کو اپنی خدمت میں طلب فرمالیا ۔ حفصہ جب واپس آئیں اور انھیں، پیغمبرؐ و ماریہ کی شب خوابی کا حال معلوم ہوا تو ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی ۔ انگ انگ سے رشک و حسد کا جوالا مکھی ابلنے لگا ۔ غصہ سے بے قابو ہو کر پیغمبرؐ پر چڑھ دوڑیں اور گلا پھاڑ پھاڑ کر کہنے لگیں کہ آپ نے میری عزت و حرمت کا بھی خیال نہیں کیا، ماریہ کو مجھ پر ترجیح دی، کہاں میں اور کہاں وہ کنیز — ! یہ ظلم — یہ غضب — یہ اندھیر — کہ میرا ہی گھر، میری ہی باری، میرا ہی بستر اور وہ لونڈی[1]

رفتہ رفتہ ۔ حفصہ کی اس ہنگامہ آرائی نے وہ شکل و صورت اختیار کی کہ نبیؐ کو پوچھنا پڑا :۔ تم کیا چاہتی ہو ؟ کہا :۔ ماریہ سے آپ کی کنارہ کشی ۔ اور وہ اس طرح کہ جب تک آپ اسے اپنے اوپر حرام نہ کرلیں گے میں آپ کی طرف نہ دیکھوں گی ——، پیغمبرؐ نے فرمایا کہ میں تمہاری خاطر ماریہ کو اس شرط کے ساتھ اپنے اوپر حرام کرتا ہوں کہ یہ راز میرے اور تمہارے درمیان سربستہ رہے اور اس کی بھنک تک نہ پھوٹے —— لیکن حفصہ اپنی ہمراز عائشہ سے کہے بغیر چین کیسے لیتیں ۔ دل میں کھلبلی پیدا ہوئی اور موقع پا کر ان سے جڑ دیا ۔ اس کے ساتھ ہی یہ مژدہ بھی سنا دیا کہ ماریہ سے پیچھا چھوٹا ۔ یہی حفصہ کی وہ حرکت تھی جس پر پیغمبرؐ نے انھیں طلاق دیدی[2] اور یہی وہ واقعہ تھا جو نزول تحریم کا سبب بنا ۔ اور پروردگار کا ارشاد ہوا :۔

"اور جب پیغمبرؐ نے اپنی ایک بیوی (حفصہ) سے کوئی راز کی بات کہی اور اس نے چغلی کھائی تو خدا نے اس امر کو رسولؐ پر ظاہر کر دیا تو رسولؐ نے بعض باتوں کو بتایا اور بعض کو ٹال دیا ۔ پس جب اس (افشائے راز) کی خبر (عائشہ) کو دی تو وہ (حیرت سے بول اٹھی کہ آپ کو کس نے مطلع کیا ۔ رسولؐ نے کہا مجھے علیم وخبیر (خدا) نے بتایا ہے ۔ اگر تم دونوں خدا سے توبہ کرو (تو کچھ فائدہ نہیں) کیونکہ تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہوگئے ہیں اور اگر تم دونوں (عائشہ و حفصہ) رسولؐ کی

---

[1] درمنثور ج ۶ ص ۲۳۹ [2] تاریخ خمیس ج ۲ ص ۱۳۵ و تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۳۱

مخالفت ایک دوسرے کی اعانت کرتی رہوگی تو کچھ پروا بھی نہیں۔ کیونکہ خدا، جبریل، ملائکہ اور صالح المومنین (علیؑ) ان کے مددگار ہیں۔" (تحریم)

اس عبرت ناک واقعہ کا اختتام اس شکل میں ہوا کہ حضور اکرمؐ نے حفصہ کو طلاق دینے کے بعد، حکم الٰہی کے مطابق ماریہ کو پھر اپنے اوپر حلال کرلیا۔ ابن عباس کا بیان ہے کہ میں نے موقع پاکر ایک دن حضرت عمر سے پوچھا کہ وہ عورتیں کون ہیں؟ جنھوں نے رسولؐ اللہ پر غلبہ حاصل کرنا چاہا تھا اور جن کے دل ٹیڑھے ہوگئے تھے —— تو انھوں نے فرمایا کہ وہ عائشہ اور حفصہ ہیں[1]۔

تاریخوں کا بیان ہے کہ حفصہ کی طلاق کے بعد —— ابن خطاب، تمام عمر روتے اور فرماتے تھے کہ:۔

"اگر آل خطاب میں کوئی خیر و خوبی ہوتی تو رسولؐ اللہ میری بیٹی حفصہ کو طلاق نہ دیتے۔"[2]

عمر بن الخطاب سے مروی اس روایت سے بھی ازواج رسولؐ کی ہنگامہ آرائیوں، خصوصاً حضرت عائشہ کے غرور گھمنڈ کا پتہ چلتا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ:۔

"ہم لوگ جب مکہ میں تھے تو ہماری عورتیں، ہمارے دباؤ اور قابو میں تھیں، مگر جب مدینہ میں آئے تب سے ہماری عورتیں بھی مدینہ کی عورتوں کی طرح ہوائیں اڑنے لگیں اور چڑھ چڑھ کے بولنے لگیں —— میری بیوی بھی ایک دن مجھ پر چڑھی، اور اس نے کہا کہ تم "ایسے ایسے" کرتے تو اچھا تھا۔! میں نے اسے ڈانٹا اور کہا:۔ تجھ سے کیا مطلب؟ جیسے میرا جی چاہتا ہے کرتا ہوں، میری اس بات پر وہ بگڑ گئی اور مجھ سے کہنے لگی۔ بس! تمھارا سارا زور اور دباؤ مجھ ہی پر چلتا

---

[1] بخاری ج ۳ ص ۱۳۸، مسلم ج اول ص ۳۳۰، مشکوٰۃ باب اطلاق ۲۸۵، مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۲۳۰ [2] مسند احمد ج ۳ ص ۴۸۷، معالم التنزیل ص ۱۶۵، تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۶۳، ۱۷۱، مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۰۵۔

ہے، اپنی بیٹی حفصہ کی خبر کیوں نہیں لیتے جو رسولؐ اللہ سے آئے دن تکرار اور لڑائی جھگڑا کیا کرتی ہے ... میں نے حفصہ سے پوچھا، کیا یہ سچ ہے؟ اس نے کہا:۔ ایک میں کیا ان کی سب بیویاں ان سے لڑائی جھگڑا کرتی رہتی ہیں۔!.... حفصہ کی اس بات پر مجھے سخت غصہ آیا، چنانچہ اسے پھٹکارتے ہوئے میں نے کہا۔ خدا کے عذاب اور رسولؐ کے غضب سے خوف کھایا کر، عائشہ بننے کی کوشش نہ کر جسے اپنے حسن و جمال پر بڑا غرور اور گھمنڈ ہے[1]۔"

یہ وہ تاریخی اور قرآنی شواہد ہیں جن سے حضرت عائشہ کی "ظاہری و باطنی سرشت" اندازہ، کچھ مشکل نہیں رہ جاتا —— لیکن اس بدنصیبی کو کیا کیا جائے کہ ناواقف مسلمانوں کی اکثریت (بغیر سمجھے، بوجھے) آپ کی ذات سے والہانہ عقیدت رکھتی ہے اور آپ کے "چال چلن" کو اپنے لئے نجات کا ذریعہ سمجھتی ہے۔

آپ سے تقریباً دو ہزار، ایک سو، دس[۲۱۱۰] حدیثیں صحاح ستہ اور دیگر کتابوں میں مروی و ماخوذ ہیں، اور سواد اعظم کے شرعی و فقہی مسائل و دینی احکام کا زیادہ تر حصہ آپ ہی کی بیان کردہ احادیث کی روشنی میں مرتب ہوا ہے۔

نسبی سلسلہ

حضرت عائشہ کے والد۔ ابوبکر بن قحافہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرّہ تھے —— اور —— والدہ —— ام رومان، بنت عامر بن عویمر بن عبدالشمس بن عتاب، تھیں۔ جو ابوبکر کے عقد میں آنے سے قبل عبداللہ بن حارث بن سنجرہ کی زوجیت میں تھیں اور اُن سے ایک لڑکا طفیل بھی پیدا تھا۔ عبداللہ کی وفات کے بعد، ام رومان —— نے ابوبکر سے عقد کیا[2]۔ ان کے نام میں بھی اختلاف ہے، بعض کا کہنا ہے کہ زنیب نام تھا اور بعض نے "وعدہ"[3] بتایا ہے —— ان کا تعلق بنو کنانہ سے تھا اور یہ

---

[1] بخاری باب الرجل بعض نسائہ ص ۸۵، [2] عائشہ (عباس محمود عقاد) ص ۱۵ [3] سیرت عائشہ ص ۷

ماں کی طرف سے کنانیہ تھیں[1]۔ شہرہ آفاق مورخ آلمانی کا کہنا ہے کہ "عائشہ کی ماں ام رومان، اسکندریہ کی رہنے والی یونانی نژاد تھیں[2]۔

پیدائش

آپ کب تک شکم مادر میں رہیں اور اس دنیا میں کب وارد ہوئیں؟ اس کے جواب میں تاریخیں خاموش ہیں، شاید اس لئے کہ مورخین کو آپ کا تعارف اس وقت سے ہوا جب سے آپ رسولؐ اللہ کی زوجیت میں داخل ہوئیں۔ لیکن کچھ ضمیر فروش سیرت نگاروں نے حکومت وقت کی خوشنودی کے لئے، عقل و خرد، فہم و ادراک اور ہوش و حواس کو بالائے طاق رکھ کر رسولؐ کی دیگر ازواج پر آپ کو فضیلت دینے، نیز کمسن، کنواری اور دوشیزہ ثابت کرنے کی غرض سے قیاس کی بنیاد پر، آپ کے بارے میں سن و سال کی جو مفروضہ عمارت کھڑی کی ہے، اس کے بیرونی پھاٹک پر محض خیالی سال ولادت ۴ھ اور ۵ھ بعثت تحریر فرمایا ہے، جسے شعور، منطق اور عاقلانہ استدلال قبول کرنے سے قاصر ہے۔

ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ کی پیدائش کے وقت، نہ تو تحریری ریکارڈ کا کوئی رواج تھا اور نہ ہی "ولادت یا فوتی" کے بارے میں کوئی سرکاری یا غیر سرکاری رجسٹر مرتب ہوتا تھا، جس سے آپ کی پیدائش کا کچھ حال معلوم ہوتا لہٰذا آپ ہی کی زبانی راویوں کو جو معلوم ہوا اسی کو وہ بیان کرتے گئے اور مصلحت کا قلم ان کے بیانات کو کاغذ پر ثبت کرتا گیا —— یہ ضروری نہیں کہ خود عائشہ نے اپنی عمر کا تعین صحیح کیا ہو، کیونکہ یہ عورت کی فطری عادت ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی عمر کم تصور کرتی ہے اور عائشہ اس نسوانی خصوصیت سے بالاتر ہرگز نہیں تھیں۔

اس مسئلے میں ہم جب اموی دور کے مورخین کی منتشر و مبہم باتوں کو عقل و استدلال کی کسوٹی پر رکھتے ہیں تو یہ فکری نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ کی ولادت، بعثت سے ایک

---

[1] عائشہ (عقاد) ص ۱۵ [2] عائشہ بعد از پیغمبر آلمانی ص ۱۴

سال قبل یا ایک سال بعد ہوئی ہوگی۔ یہی تحقیق ممتاز مصری مورخ عباس محمود عقاد نے اپنی "تالیف" "عائشہ" میں پیش کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ:۔ "یہ امر متحقق نہیں ہو سکا کہ حضرت عائشہ کس سنہ میں پیدا ہوئیں تاہم اغلب خیال یہ ہے کہ ان کی ولادت ہجرت سے گیارہ بارہ سال قبل ہوئی[1]۔

کورٹ فریشلر آلمانی نے اپنی مایہ ناز کتاب "عائشہ بعد از پیغمبر" میں ثابت بن ارطاۃ کا جو بیان نقل کیا ہے اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہ کا سنہ ولادت ۱ھ بعثت ہے[2]۔ اس طرح عباس محمود عقاد کی تحقیق درست اور قرین قیاس ہے۔

شادی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ۔ عائشہ کی شادی۔ اسلامی تاریخ کا ایک معمّہ ہے جو آج تک حل نہ ہو سکا۔

اس "پراسرار شادی" سے متعلق۔ بخاری، مسلم، مشکوٰۃ، مسند احمد بن حنبل، طبری، طبقات ابن سعد، استیعاب، ازالۃ الخفاء اور مدارج النبوۃ وغیرہ میں جو حیرت[3] انگیز اور مضحکہ خیز حکایت مرقوم ہوئی ہے اس کا نچوڑ یہ ہے کہ:۔

ہجرت سے تین سال قبل ۱۰ھ بعثت میں حضور سرور کائناتؐ کی پاکباز و غمگسار بیوی، محسنہ اسلام حضرت خدیجہؑ طاہرہ دنیا سے رخصت ہوئیں اور ان کی وفات کے تیسرے دن آپ کے مشفق، مہربان اور محافظ چچا حضرت ابو طالبؑ کا انتقال بھی ہوگیا تو آپؐ اپنی بے یاری اور تنہائی پر ہر وقت محزون و مغموم رہنے لگے۔ اور آپ نے اس حزن و ملال کے سال کو "عام الحزن" سے تعبیر کیا[3]۔

حضرت ابوبکر سے آپ کے حزن و ملال کی یہ کیفیت نہ دیکھی گئی۔ چنانچہ وہ اپنی پانچ

---

[1] عائشہ (عقاد) ص ۵۲ [2] عائشہ بعد از پیغمبر آلمانی ص ۱۶، تا ۱۷ [3] تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۹، مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۷

سالہ بچی عائشہ کو لے کر ایک دن، آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ، یا رسول اللہؐ! یہ بچی حاضر ہے آپ اس سے دل بہلائیں تاکہ آپ کا غم غلط ہو۔ اس بچی میں خدیجہ کی صلاحیت پائی جاتی ہے[12] ابوبکر کی اس حیرت انگیز تجویز کے جواب میں، پیغمبرؐ نے سکوت اختیار کیا۔ یہاں تک کہ بچی کو انھوں نے گود میں اٹھایا اور واپس چلے گئے۔ اس کے بعد بقول مورخ، پیغمبرؐ ابوبکر کے گھر میں آنے جانے لگے[13]

مگر پھر بھی آنحضرتؐ کے کرب و اضطراب میں کوئی تخفیف نہیں ہوئی اور حزن و ملال اپنی جگہ برقرار رہا تو عثمان بن مظعون کی زوجہ خولہ بنت حکیم (جو صحابیہ بھی تھیں) نے یہ کہہ کر آپؐ کو عقد پر آمادہ کیا کہ خدیجہ کے بعد تنہائی و بے چارگی کا احساس دور کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ نکاح فرمالیں۔ میری نظر میں باکرہ اور بیوہ دونوں طرح کی عورتیں ہیں اگر حضور اجازت مرحمت فرمائیں تو میں سلسلہ جنبانی کروں، مجھے امید ہے کہ عقد کے بعد "رنج و الم" کا بوجھ کچھ ہلکا ہوگا۔

پیغمبرؐ نے پوچھا ——— وہ عورتیں کون ہیں؟ خولہ نے کہا:۔

باکرہ ——— عائشہ بنت ابوبکر ہیں ——— اور بیوہ ۔ سودہ بنت زمعہ ——— !

آپؐ نے چند لمحوں کے لئے توقف کیا ۔ پھر فرمایا:۔

اگر تمھاری خواہش یہی ہے تو دونوں جگہ پیغام دے دو ——— !!

ایسا لگتا ہے کہ ابوبکر اور خولہ کے درمیان معاملہ پہلے ہی سے طے تھا اس لئے وہ سیدھے ابوبکر کے گھر گئیں، اندھا کیا چاہے؟ دو آنکھیں ۔ ابوبکر فوراً راضی ہو گئے اور آنحضرتؐ نبوت کے گیارھویں سال ماہ شوال میں پانچ سو درہم مہر کے عوض، ابوبکر کی چھ سالہ بچی کے شوہر بن گئے۔ اس کے بعد خولہ نے سودہ کے گھر والوں سے رابطہ قائم کیا وہ بھی تیار ہو گئے اور حضرتؐ کا نکاح سودہ سے بھی ہو گیا[14]

[12] ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۱۱۰ [13] طبری ج ۳ ص ۱۷۶، مسند احمد بروایت عائشہ ص ۹۴، طبقات ابن سعد ص ۴۳ - [14] طبری ج ۳ ص ۱۷۶

حضرت عائشہ کا یہ بیان قابل توجہ ہے کہ انھوں نے فرمایا:۔

"میں اپنے عقد سے بالکل بے خبر تھی ۔ عقد کے بعد جب میری ماں نے میرے باہر نکلنے پر پابندی عاید کی اور مجھے سمجھایا تو میں سمجھی کہ میرا نکاح ہو گیا ہے[1]۔"

بخاری کا کہنا ہے کہ حضرت عائشہ نکاح کے وقت اس امر کی متحمل نہیں تھیں کہ ان سے "تعلقات زوجیت" قائم کئے جا سکتے اس لئے انھیں دو سال تین ماہ مکہ میں اور نو ماہ مدینہ میں یعنی تین برس تک شوہر سے الگ رہنا پڑا[2]

مجھے نہیں معلوم کہ نکاح کے بعد صرف تین برس کے اندر صرف نو سال کی عمر میں نسوانی فطرت کے خلاف حضرت عائشہ کن وجوہ کی بنا پر جوان اور بالغ ہو گئیں، لیکن تاریخ یہ بتاتی ہے کہ مدینہ میں نو ماہ قیام کے بعد جب حضرت عائشہ اپنی عمر کی نویں منزل میں داخل ہوئیں تو ابوبکر نے نہ جانے کیا محسوس کیا کہ انھیں عائشہ کی طرف سے فکر لاحق ہو گئی اور وہ اس تردد میں مبتلا ہو گئے کہ رسولؐ اللہ ان کی بیٹی کی طرف ملتفت کیوں نہیں ہوتے؟ آخر کار ایک دن موقع محل دیکھ کر آپ رسولؐ اکرم سے یہ کہہ بیٹھے کہ یا رسولؐ اللہ! آپ عائشہ کو اپنے تصرف میں کیوں نہیں لاتے؟ حضرتؐ نے فرمایا میرے پاس مہر نہیں ہے ۔ یہ سُن کر ابوبکر نے ساڑھے بارہ اوقیہ، پیغمبرؐ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا یہ مہر حاضر ہے[3] ۔

شاید حضرت ابوبکر کی غیرتِ خسروانہ کا تقاضہ بھی یہی تھا ۔!

بہر حال اس سلسلہ کی دوسری مضحکہ خیز روایت بخاری اور طبری میں یوں مرقوم ہوئی ہے کہ ۔ رسولؐ اللہ، ماہ شوال میں ایک دن اپنے چند اصحاب کے ساتھ ابوبکر کے گھر گئے ۔ عائشہ اس وقت اپنی ہمجولیوں کے ساتھ جھولا جھولنے میں مشغول تھیں ۔ ان کی ماں (ام رومان) نے موقع غنیمت جان کر انھیں آواز دی ۔ وہ ہانپتی ہوئی آئیں ۔ ماں نے ان کے منھ ہاتھ دھلائے، انھیں سجایا اور سنوارا اور اس کے بعد آنحضرتؐ کی خدمت میں لے کر

[1] طبقات ابن سعد ص ۴۰ [2] بخاری ۲ ص ۲۲۹ (مصر) [3] استیعاب ص ۱۱، طبقات ابن سعد باب النساء ص ۴۳، بخاری باب تزویج عائشہ ۔

حاضر ہوئیں اور یہ کہہ کر ان کی گود میں بٹھا دیا کہ یہ آپ کی زوجہ ہے ۔ اصحاب شرما کے وہاں سے اٹھ گئے ۔ بخاری کا کہنا ہے کہ عائشہ کو خبر نہیں تھی کہ کیا ہونے والا ہے[1] اور طبری کا کہنا ہے کہ زفاف کے بعد اسی وقت سے زوجیت کی ابتدا ہوئی[2]

اسی روایت کو شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے حضرت عائشہ کی زبانی یوں نقل فرمایا ہے:۔

"عائشہ فرماتی ہیں کہ جب ہم لوگ مدینہ میں وارد ہوئے تو میرے والد ابوبکر نے محلہ سنخ میں حبیب ابن ریان یا خارجہ بن زید کے ہاں رہائش اختیار کی، ایک روز حضرت رسولؐ خدا تشریف لائے، حضرتؐ کے ساتھ انصار کے مردوں اور عورتوں کا مجمع تھا، اس وقت میری اماں جان نے مجھے پکڑا، میرے بالوں میں کنگھی کی، مانگ نکالی، منھ دھلایا اور مجھے کھینچتی ہوئی اس جگہ لے گئیں جہاں رسولؐ اللہ فروکش تھے چونکہ میرا نفس مجھ پر تنگی کر رہا تھا اس لئے میری ماں نے ذرا دیر توقف کیا اور جب میری حالت پرسکون ہوئی تو انھوں نے مجھے حضرتؐ کی گود میں بٹھا دیا اور کہا یہ آپ کی بیوی ہے ۔ اس کے بعد سب لوگ کمرے سے باہر چلے گئے اور حضرتؐ نے میرے ساتھ[3] .... ، اور کوئی اونٹ یا بکرا ذبح نہیں کیا، شادی کا کھانا جسے ولیمہ کہتے ہیں ایک پیالہ دودھ تھا جو سعد ابن عبادہ کے گھر سے آیا تھا ۔ اس روز میں نو برس کی تھی[4]"

یہی وہ تعجب خیز حکایت اور یہی وہ حیرت انگیز داستان ہے جس کے پیچ و خم اور دام فریب میں تیرہ سو برس سے ساری دنیا الجھی ہوئی ہے ۔ اور یہی وہ اسلامی تاریخ کا معمہ ہے جسے حل کرنے کی کوشش میں مثبت و منفی دلیلیں اکثر و بیشتر ایک دوسرے سے ٹکراتی رہتی ہیں مگر عائشہ کی "تاریخی حیثیت" اموی حکمرانوں، حق فروش علماء اور ضمیر فروش مورخین

[1] بخاری ج ۲ ص ۲۲۸ مصر [2] طبری ج ۳ ص ۱۷۶ مصر [3] ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۱۱، استیعاب ج ۲ ص ۷۶۵، مستدرک حاکم ج ۴ ص ۵ [4] مدارج النبوہ ج ۲ ص ۸۹

کی بدولت آج بھی زندہ ہے ۔ اس کا پوسٹ مارٹم ہونا چاہئے کیونکہ اس قسم کی مجہول احادیث و جعلی روایات سے جو زیادہ تر عائشہ سے ہی مروی ہیں، رسولؐ کی رسالت، عصمت، طہارت فضیلت اور عظمت متاثر ہوتی ہے اور اسلام دشمن عناصر کو "لب کشائی" اور "دریدہ دہنی" کا موقع فراہم ہوتا ہے ۔

اس جرأت مندانہ اقدام کے لئے، مجھ ایسے شاعر اور ادیب کا تنہا قلم کافی نہیں ہو سکتا، بلکہ ان علماء کی بھی ذمہ داری ہے جو، ہندوستان اور بیرونی ممالک میں "راواداری" کے پلیٹ فارم سے اپنی منافقانہ تقریروں اور فریب کاریوں کے ذریعہ حصول دولت میں مصروف ہیں ۔

بہر حال ۔ عقد کی اس پوری کہانی میں عائشہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان خولہ بنت حکیم کی وساطت اور ان کی خواہش پر عقد کے لئے آنحضرتؐ کی آمادگی بعید از قیاس ہے، کیونکہ بعض عقیدت مند مورخین کے قول کے مطابق جب ہجرت سے تین برس قبل صرف چھ سال کی عمر میں معظمہ کا نکاح ہوا اور سلہ بعثت میں زفاف ہوا تو تین سال تک اس نکاح سے رسولؐ کو کیا فائدہ پہنچا ۔ حضرتؐ کا کوئی فعل عقل کے خلاف اور مصلحت سے خالی نہیں ہو سکتا اور چھ سال کی بچی سے شادی میں کوئی مصلحت نظر نہیں آتی ۔ اگر نکاح کے بعد آپ رخصتی کے قابل ہوتیں اور رسولؐ اللہ اپنے گھر لے آتے تو اعتراض یا تنقید کی گنجائش ہرگز نہ ہوتی کیونکہ امور خانہ داری اور معصومۂ کونین حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کی دل بستگی وغیرہ مصالح تھے مگر موصوفہ نکاح کے بعد بھی "آغوش مادر" میں رہیں اور آپ پر بچپنا اس قدر غالب تھا کہ رخصتی کے بعد بھی شوہر کے گھر میں گڑیوں اور گڈوں کے کھیل سے لطف اندوز ہوتی رہیں ۔ ان وجوہ سے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ سیاسی امور کو پیش نظر رکھ کر خود ابوبکر نے یہ شادی کی ہوگی مگر رسولؐ اللہ سے آپ کا یہ فرمانا کہ یہ کچھ غم غلط کرے گی کیونکہ اس میں خدیجہؑ کی صلاحیت پائی جاتی ہے، اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے کیا چھ برس کی بچی، پچاس یا باون برس کے شوہر کا غم بیوی کی حیثیت سے غلط کر سکتی ہے جبکہ عائشہ اتنی نادان و ناسمجھ تھیں کہ ان کا خود کہنا ہے کہ نکاح کی مجھے خبر تک نہیں ہوئی جب

میری ماں نے باہر نکلنے پر پابندی عاید کی تو مجھے پتہ چلا کہ نکاح ہو چکا ہے اور بعد میں میری ماں نے مجھے سمجھا بھی دیا[1]

غرضکہ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں اس کا جواب کسی بھی نوعیت سے اثبات میں نہیں ملتا۔ اور اصولی حیثیت سے بھی اس عمر میں لڑکیوں کی شادی، کسی ملک، کسی مذہب اور کسی سماج میں پسند نہیں کی جاتی۔

عرب کے حالات، تاریخ اور ادب کی کتابوں میں تفصیل سے ہیں لیکن یہ کتابیں بھی اس قسم کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

علامہ ابن حجر کی کتاب "اصحابہ" صحابہ کے حالات میں ایک مفصل اور جامع کتاب ہے اس کی آخری جلد ہفتم صرف عورتوں کے حالات پر مبنی ہے۔ اس میں مختلف مقامات، مختلف قبائل، مختلف خاندان کی تقریباً ڈیڑھ ہزار عورتوں کے حالات مرقوم ہیں (جو صحابیہ بھی تھیں) مگر کسی کے متعلق یہ نہیں ہے کہ اس کا نکاح چھ برس کی عمر میں ہوا جبکہ اس کتاب میں متعدد عورتوں کی عمر اور تاریخ وفات وغیرہ کا بھی تذکرہ ہے۔ خود حضرت ابو بکر کی دوسری صاحبزادی اسماء کا نکاح اس عمر یا اس سے سال دو سال آگے پیچھے نہیں ہوا۔ ابو بکر کے تین بیٹے بھی تھے مگر کسی بیٹے کی شادی ایسی لڑکی سے نہیں ہوئی جس کی عمر چھ سال رہی ہو۔ حضرت عمر کی بھی کئی بیٹیاں تھیں، انھوں نے بھی اپنی کسی بیٹی کی شادی چھ برس کی عمر میں نہیں کی۔ حضرت عثمان کی سترہ اولادیں تھیں مگر ان میں بھی کوئی مثال ایسی نہیں ملتی۔ خاندان بنی امیہ اور بنی عباس میں بھی کسی لڑکی کے بارے میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کی شادی چھ سال کی عمر میں ہوئی ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں میں کمسنی اور کم عمر ہی کی شادی کا کوئی دستور یا رواج نہیں تھا، لہذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت عائشہ اس وصف میں منفرد ہیں اور ابو بکر نے دستور کے خلاف وہ کام کر دکھایا جس کی نظیر قیامت تک ممکن نہیں۔

حضرت عائشہ کی عمر۔ ازدواجی زندگی کے لحاظ سے تین حصوں پر تقسیم ہو سکتی ہے۔

(۱) شادی سے قبل کا زمانہ (۲) شادی کے بعد کا دور۔ (۳) بیوگی کا زمانہ۔

اور لطف کی بات یہ ہے کہ ہر دور، ہر زمانے میں آپ کا کوئی نہ کوئی حیرت انگیز واقعہ ایسا

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۴۰

ملتا ہے جو عقل کو حیران و پریشان کرتا ہے۔

شادی سے قبل کا واقعہ۔ یہ کہ جب آپ صرف چھ برس کی تھیں تب آپ کے والد آپ کو رسول کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے اور کہا آپ اس (بچی) سے دل بہلائیں یقیناً یہ ایک انوکھی، نرالی اور عجوبہ بات ہے۔!

شادی کے بعد کا واقعہ۔ افک ہے، جس میں آپ کی ذات ایسے اتہام کا نشانہ بنی کہ جس سے زیادہ شرمناک بدنامی عورت کے لئے ممکن نہیں۔ یہاں تک خود پیغمبر نے اس تہمت کو غلط نہیں سمجھا جب تک وحی کا نزول نہیں ہوا۔

بیوگی کے عہد کا واقعہ۔ اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ اور وہ یہ ہے کہ جب آپ کی عمر ۶۵ سال کی تھی تو ۲۹ سالہ یزید ابن معاویہ نے آپ سے عقد کی خواہش کی، جس کے جواب میں آپ نے منہ پیٹ لیا۔ شاہ عبد الحق محدث نے بھی اس واقعہ کو نقل کیا ہے[1]۔

یہ وہ واقعات ہیں جو بجائے خود حضرت عائشہ کی شخصیت پر تاریخی دستاویز ہیں — اس لئے میں اپنی طرف سے ان کے بارے میں کسی تنقید کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ مگر اس گفتگو کے ذیل میں یہ ضرور چاہوں گا کہ تاریخ ہی کی روشنی میں یہ صراحت بھی ہو جائے کہ رسول اللہ سے عقد کے وقت، معظمہ کنواری تھیں یا نہیں؟

اس سلسلہ میں خود عائشہ کی زبانی جو روائتیں مورخین تک پہنچی ہیں ان سے یہی پتہ چلتا ہے کہ شادی کے وقت آپ چھ سال کی ناسمجھ و نابالغ بچی تھیں۔ مگر تین ہی سال کے اندر نہ جانے کس شعبدہ بازی کے تحت آپ پر بھرپور جوانی آگئی یہاں تک کہ نو سال کی عمر میں زفاف کی تمام صعوبتوں کو بآسانی جھیلنے کے قابل بن گئیں۔ لیکن اس روایتی حکایت کو مصر کے ممتاز اور نامور مورخ عباس محمود عقاد کی تحقیق نے قبول نہیں کیا۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب "عائشہ"، میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"... اغلب خیال یہ ہے کہ ان کی ولادت ہجرت سے گیارہ سال قبل

[1] مدارج النبوۃ ج اص ۲۶۶۔

ہوئی اس لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد زوجیت میں آتے وقت ان کی عمر لگ بھگ ۱۴ سال کی بنتی ہے"[1]

ہر ہوش مند انسان صرف اسی بات کو مانے گا جسے عقل بھی قبول کرے۔ فہم و ادراک کی دنیا حیران تھی کہ جس سنہ میں رسول اکرم کے دو عظیم غمگساروں، مددگاروں اور چاہنے والوں نے رحلت کی اور جس سال کو آپ نے عام الحزن قرار دیا، اسی سال کوئی دوسرا عقد بھی کیا ہو؟ شکر کا مقام ہے کہ کسی شیعہ نہیں بلکہ ایک سنی محقق کی تحقیق سے یہ حقیقت واضح ہو رہی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۰ نبوی یعنی ایام عام الحزن میں کوئی عقد نہیں فرمایا اور نہ ہی حضرت عائشہ چھ سال کی عمر میں رسول کی زوجیت سے مشرف ہوئیں۔

عباس محمود العقاد حضرت عائشہ کے "افسانوی عقد" کا پردہ فاش کرتے ہوئے اپنی کتاب کے صفحہ ۹۱ پر مزید فرماتے ہیں:۔

"ابھی تک کسی شخص کو پورا یقین نہیں تھا کہ عائشہ ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آجائیں گی، وجہ یہ تھی کہ وہ پہلے ہی جبیر بن مطعم بن عدی سے جو ہنوز حالتِ کفر پر قائم تھا منسوب ہو چکیں تھیں[2]"۔

پھر فرماتے ہیں:۔

"ہمارے نزدیک قرین قیاس امر یہ ہے کہ رخصت کے وقت عائشہ کی عمر بارہ سے کسی طرح کم اور پندرہ سال سے زیادہ نہ تھی[3]"

قرین قیاس نہیں، بلکہ یہ یقینی امر ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقد کے وقت حضرت عائشہ، مکمل طور پر بالغ اور بھرپور جوان تھیں۔

ہم تحریر کر چکے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے ۱۰ نبوی میں کوئی عقد نہیں فرمایا، کیونکہ یہ سال حضور کے لئے انتہائی رنج و ملال، کرب و اضطراب اور غم و الم کا سال تھا۔

[1] عائشہ (عقاد) ص ۵۲ [2] عائشہ (عقاد) مترجمہ محمد احمد پانی پتی ص ۹۱ [3] عائشہ عقاد مترجمہ محمد احمد پانی پتی ص ۹۲۔

حقیقت یہ ہے کہ وفات خدیجۃ الکبریٰ کے تین برس بعد ۱۳ نبوی میں ہجرت سے کچھ پہلے سرکار دو عالم نے عائشہ سے عقد کیا، جیسا کہ علامہ شبلی نعمانی کے شاگرد رشید مولوی سلیمان ندوی نے بخاری اور مسند کے حوالوں سے اپنی کتاب سیرت عائشہ میں تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"بخاری اور مسند میں خود ان (عائشہ) سے دو روائتیں ہیں۔ ایک میں ہے کہ حضرت خدیجہ کی وفات کے تین برس بعد نکاح ہوا[1]"

اس عقد کے بعد ۱ھ ہجری میں رخصتی عمل میں آئی۔ اس حساب سے بوقت رخصتی محترمہ کی عمر تقریباً بیس برس کی بنتی ہے۔

عباس محمود العقاد کا یہ کہنا بجا ہے کہ رسول اللہ کے عقد میں آنے سے پہلے عائشہ جبیر ابن مطعم سے منسوب ہو چکی تھیں۔ اس پورے واقعہ کا نچوڑ ہم قدیم ترین مورخ ابن سعد واقدی (المتوفی ۲۳۰ھ) کی زبان قلم سے سناتے ہیں، جس کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی کا کہنا ہے کہ محمد بن سعد کاتب واقدی نہایت ثقہ اور معتمد مورخ ہے۔

"عائشہ کے لئے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو عقد کا پیغام دیا تو انھوں نے کہا، یا رسول اللہ! اس کو تو میں جبیر ابن مطعم کے حوالے کر چکا، مجھے ذرا مہلت دیجئے تاکہ میں عائشہ کو ان لوگوں سے دوبارہ حاصل کروں۔ (چنانچہ) ابو بکر خاموشی سے عائشہ کو وہاں سے لے آئے (پھر) جبیر نے طلاق دی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیاہی گئیں[2]"

عائشہ کے لئے رسول نے خود پیغام دیا، کسی سے دلوایا، یا، عائشہ کے والدین نے خود انھیں رسول اللہ کی گود میں ڈال دیا۔ یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ بہرحال، واقدی کی اس روایت سے یہ بات مکمل طور پر واضح ہے کہ حضرت عائشہ نہ یہ کہ صرف جبیر ابن مطعم سے منسوب تھیں بلکہ محترمہ عقد اور رخصتی کی منزلوں سے گزر کر "زفاف" کا سخت ترین مرحلہ بھی طے

[1] سیرت عائشہ ۱۷، [2] طبقات ابن سعد واقدی ج ۸ ص ۴۰ لیدن مطبع ۱۳۲۲ھ

کر چکیں تھیں۔

حضرت عائشہ، جبیر ابن مطعم کو کب بیاہی گئیں اور کتنی مدت تک آپ اس کے ساتھ رہیں؟ اس کے جواب میں تاریخیں خاموش ہیں اور تلاش کے باوجود مجھے کوئی ایسی روایت نہیں مل سکی جس سے کچھ معلوم ہوتا۔ لیکن واقدی کے اس بیان کی روشنی میں بالآعلان میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ حضرت عائشہ، رسول اللہ کے عقد میں آتے وقت کنواری ہرگز نہیں تھیں بلکہ ایک مطلقہ کی حیثیت سے وہ امہات المومنین کی صف میں شامل ہوئیں تھیں۔!

اس موقع پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ پیغمبرؐ کے عقد میں آنے سے پہلے بھی آپ اولاد سے محروم رہیں اور جبیر ابن مطعم کی "کافرانہ کوششیں" آپ کے "بانجھ پن" کو کوئی سوغات نہ دے سکیں۔ اور پیغمبرؐ کے عقد میں آنے کے بعد بھی آپ کی مرادوں، تمنّاؤں اور آرزوؤں کا کشکول نعمت اولاد سے خالی رہا۔ رسول اکرمؐ سے آپ کے اولاد کیوں نہیں ہوئی؟ اس کا سبب کیا تھا؟

عباس محمود العقاد کی زبانی سنئے:۔

"اس کا سبب جہاں تک ہماری سمجھ میں آسکا ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کی خاطر اپنی ازواج سے نکاح نہیں کئے۔ حضور کے نکاح بالعموم دو اغراض کے تحت ہوتے تھے۔ (۱) بعض عورتیں اپنے خاوند کی وفات کے بعد بالکل بے سہارا ہو جاتی تھیں، حضورؐ ان کی بے کسی اور بے بسی کا مداوا کرنے کے لئے ان سے نکاح کر لیتے تھے، (۲) بعض ازواج سے نکاح کرنے میں یہ غرض پنہاں تھی کہ حضور ان کے قبیلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے ان سے تعلقات قائم کرنا چاہتے تھے[1]"

---

[1] عائشہ (عقاد) مترجمہ محمد احمد پانی پتی ص ۱۱۸۔

حسن وجمال

اموی دور کے حق فروش علماء، مورخین اور محدثین کی ایک بڑی جماعت نے حکومت وقت کی خوشنودی اور اپنے ذاتی مفاد کی خاطر، حبیبؐ کردگار کی دیگر ازواج پر، عائشہ کو افضلیت و فوقیت دینے کے لئے خود انھیں کی زبانی ان کے حسن وجمال، خوبصورتی اور رعنائی و زیبائی کے جو شرمناک تذکرے اپنی کتابوں میں کئے ہیں، اس سے غیر مسلموں کو مذاق، استہزاء اور استہانت کے ساتھ ساتھ، پیغمبرؐ کی پاک و پاکیزہ شخصیت اور معصوم سیرت پر انگشت نمائی، اتہام اور اہانت کا بھرپور موقع فراہم ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ کے حسن وجمال کی حکایتوں کو تحریروں اور کتابوں کے ذریعہ عوام میں مشتہر کرنے کا مقصد اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ دنیا والوں کو یہ باور کرنے پر مجبور کیا جائے کہ رسولؐ کی تمام ازواج میں صرف عائشہ ہی سب سے زیادہ حسین وجمیل اور خوبصورت تھیں۔ حضورؐ انھیں سب سے زیادہ چاہتے تھے، دل وجان سے محبت فرماتے تھے اور اپنی تمام تر توجہ ہمہ وقت صرف ان ہی کی طرف مبذول رکھتے تھے۔

یہ غلط اور افسوس ناک تشہیر کیوں ہوئی؟ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ بعد وفات پیغمبرؐ عہد شیخین میں حضرت عائشہ کو "حکومت کی بیٹی" ہونے کا شرف حاصل تھا اور اقتدار پرستوں کا التفات پوری طرح آپ کی ذاتِ خاص سے وابستہ تھا۔ انھیں وہ حقوق حاصل تھے جس سے رسولؐ کی دوسری ازواج محروم تھیں۔ وہ عظمت، وہ منزلت میسر تھی جو کسی زوجہ کو نصیب نہ تھی، حالانکہ پیغمبرؐ نے انتقال کے وقت نو بیویاں چھوڑی تھیں لیکن ابوبکر و عمر نے کسی کو اتنی اہمیت نہیں دی۔ جب کوئی فتویٰ دریافت کرنا ہوتا یا کوئی شرعی مسئلہ معلوم کرنا ہوتا تو یہ دونوں حضرات عائشہ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ جیسا کہ ابن سعد کا بیان ہے:۔

"ابوبکر، عمر اور عثمان کے عہد میں تنہا حضرت عائشہ ہی فتوے دیا کرتی تھیں

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۷۵

اور ان کی یہی کیفیت مرتے دم تک رہی[1]"

یہ وہ سیاسی اقدام تھا جس نے رفتہ رفتہ حضرت عائشہ کی "مرجعیت" کو اس دور کے مسلمانوں میں مستحکم کر دیا۔ اس کے علاوہ وظائف وعطایا میں بھی انھیں دیگر ازواج پر مقدم رکھا گیا چنانچہ حضرت عمر نے ازواج رسولؐ میں ہر ایک کا دس ہزار اور آپ کا بارہ ہزار وظیفہ مقرر کیا تھا۔ ان خصوصی توجہات ومراعات نے عائشہ کی شخصیت کو عروج عطا کر کے احترام کی اس منزل سے ہمکنار کر دیا کہ انھوں نے رسولؐ کی زوجیت اور اپنی مرجعیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے بارے میں جو کچھ بھی "الٹا سیدھا" اور "اول فول" اپنی زبان سے بکا وہ عقیدتمندوں کے نزدیک سچ بنتا گیا یہاں تک کہ علماء، مورخین اور محدثین بھی اسے اپنی کتابوں میں جگہ دیتے چلے گئے۔ اور کسی نے اس کی تردید میں لب کشائی کی جسارت نہیں کی۔

خدا بھلا کرے عہد حاضر کے سنی مورخ عباس محمود عقاد کا۔ کہ جن کی جستجو آمیز تحقیق نے حضرت عائشہ خود ساختہ حسن وجمال کے چہرے سے مجاز کے پردے اور ان کی خوبصورتی کے اس دیرینہ گھروندے کو ہمیشہ کے لئے مسمار کر دیا۔

موصوف اپنی تحقیقی کتاب "عائشہ" میں فرماتے ہیں:۔

"حضرت عائشہ کا بچپن بیماریوں میں گزرا۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دس برس کی عمر میں انھیں بخار آیا جس سے ان کے تمام بال جھڑ گئے، بعد میں ان کی صحت ٹھیک نہیں رہی اور وہ اکثر بیمار ہو جایا کرتی تھیں[1]"۔

اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت عائشہ کی بیان کردہ بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شدید بخار کی وجہ سے ان کے بال جھڑ گئے تھے چنانچہ منجملہ دیگر روایات کے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے عورتوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے جس عورت کے بال ہوں وہ انھیں سنوار کر رکھے[2]"

---

[1] عائشہ (عقاد) مترجمہ محمد احمد پانی پتی ص ۱۱۹ [2] عائشہ عقاد ص ۵۴-۵۵

اس کے بعد عقاد کا یہ انکشاف قاری کو حیرت زدہ کر دیتا ہے:۔

"جمل کے واقعات پڑھ کر یہ علم بھی ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ جہر الصوت تھیں[1]"

ان انکشافات کے بعد حضرت عائشہ کے حسن وجمال کی حقیقت کو عقل وخرد کی کسوٹی پر پرکھ لینا کوئی دشوار امر نہیں۔ اگر عقاد کی مذکورہ تحریروں کو متشکل کر دیا جائے تو محترمہ ایک ایسی مہیب عورت کی شکل میں ابھر کر سامنے آتی ہیں کہ جس کے سر پر بال نہیں، جو مسلسل بیمار رہتی ہے اور جس کی آواز مردانہ، موٹی اور گرجدار ہے۔

اب محترم قارئین خود فیصلہ فرمائیں کہ کیا ایک گنجی، دائم المریض اور جہر الصوت عورت کو دنیا کا کوئی عقلمند انسان حسن وجمال کا مجسمہ قرار دے سکتا ہے؟ اور کیا ایسی عورت خوبصورت کہی جا سکتی ہے؟

حریر میں عائشہ

بخاری میں حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ رسولؐ اللہ نے مجھ سے فرمایا:۔

"میں نے دو بار تجھ کو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص (جبریل) تجھ کو حریر کے ایک ٹکڑے میں اٹھائے ہوئے ہے اور وہ کہتا ہے کہ یہ تمہاری بیوی ہے، میں نے وہ کپڑا کھولا تو اندر تو نکلی، میں نے کہا اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ ضرور پورا کرے گا[2]"

چند لفظوں کی الٹ پھیر سے بھی حدیث مشکوٰۃ[3] اور ترمذی[4] میں بھی بیان ہوئی اور بعض مورخین کا کہنا ہے کہ حضرت عائشہ کی یہ آسمانی تصویر سبز رنگ کے ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر تین بار آنحضرتؐ کو خواب میں پیش کی گئی[5]

---

[1] عائشہ عقاد ص ۵۴-۵۵ [2] بخاری ج ۳ پ۲۱ کتاب النکاح ص ۶۸ مطبوعہ کراچی پاکستان
[3] مشکوٰۃ ج ۸ ص ۱۴۱ [4] ترمذی باب مناقب عائشہ [5] مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۰۔

مصلحت کے اسٹوڈیو میں پیغمبری خواب کے کیمرہ سے کھینچی گئی اس تصویر کے بارے میں علامہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی عقیدت کا مظاہرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :۔

"اس سے مراد اظہار شوق و رغبت ہے اور عائشہ کے لئے یہ منقبت عظیم ہے کہ اللہ کے رسولؐ کے پاس پہنچنے سے پہلے انھوں نے رسولؐ کو اپنے جمال پر انوار کا مشتاق کردیا اور کیوں نہ اشتیاق ہوتا کہ زلیخا نے خواب میں یوسفؑ کو ایک مرتبہ دیکھا تھا تو وہ عاشق و فریفتہ ہوگئیں تھیں اور یہاں سرور کائنات نے عائشہ کی تصویر تین بار دیکھی پھر انس و محبت میں زیادتی کیوں نہ ہوتی۔"[1]

بعض دوسری ازواج کے بارے میں علامہ موصوف فرماتے ہیں :۔

"انھوں نے رسولؐ کی زوجیت میں آنے سے پہلے خواب میں دیکھا کہ ان کے گھروں میں آفتاب اترا ہے یا آسمان سے ماہتاب آگیا ہے جیسا کہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت سودہ کے حالات میں مرقوم ہے، مگر یہ حضرت عائشہ کے انتہائی حسن و جمال کی کیفیت تھی کہ وہ رسول کے لئے بمنزلۂ یوسفؑ اور رسول ان کے لئے بمنزلۂ زلیخا تھے۔"[2]

وحشت میں ہر اک نقشہ الٹا نظر آتا ہے
مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے

اس مہمل اور وضعی حدیث نے عبدالحق محدث ایسے ہوش مند اور جلیل القدر عالم کو بھی چکر میں ڈال کر ان کی عقل کی بساط الٹ دی اور وہ ایسی وحشت کا شکار ہوئے کہ خدا کا رسولؐ انھیں "زلیخا" دکھائی دینے لگا اور عائشہ، یوسف نظر آنے لگیں۔ جبکہ اس حدیث پر غور و فکر کرنے اور اسے تاریخ کی روشنی میں دیکھنے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت عائشہ نے اپنی فضیلت اور خودنمائی کی ضرورت کے تحت بذات خود اس کو جنم دیا ہے یا پھر اس کی اختراع کا سہرا اموی دور کے زرخرید مورخین و محدثین کے سر ہے۔

---

[1] مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۰۔۶۱

بخاری نے اپنی "صحیح" میں اس غلط حدیث کو عائشہ کی زبانی نقل کیا ہے اور عبارت میں "ایک شخص" کے آگے بریکیٹ میں جبریل کا نام تحریر کیا ہے جس سے اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ نام اضافی ہے۔

اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ مان لیا جائے کہ عائشہ کی تصویر لانے والے جبریل ہی تھے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اور کسی موقع پر پیغمبرؐ کے خواب میں کیوں نہیں آئے، آخر حضرت عائشہ میں کون سی خوبی، کون سا کمال اور کون سی انفرادیت تھی کہ ان کی وجہ سے انھیں بار بار رسولؐ کے خواب میں آنا پڑا۔؟ یہ ایک معمولی کام تھا جو رسولؐ اللہ کی بیداری کی حالت میں بھی ہوسکتا تھا اور عائشہ کی یہی تصویر کپڑے میں لپیٹ کر، کاغذ کے لفافہ میں مہر بند کرکے یا فریم میں منڈھوا کر ان کی خدمت میں پیش کی جاسکتی تھی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ طرز عمل بھی قابل غور ہے کہ وہ عائشہ کی تصویر بار بار خواب میں دیکھنے کے باوجود حضرت ابوبکر سے ان کی خواہش نہیں کرتے بلکہ عقد کا مسئلہ مشہور صحابی عثمان بن مظعون کی بیوی خولہ بنت حکیم کی بدولت منزل تکمیل تک پہنچتا ہے۔

اس کے علاوہ تاریخ یہ بھی کہتی ہے کہ حضرت خدیجہؑ کی وفات کے بعد جب عائشہ صرف چھ برس کی بچی تھیں، ابوبکر خود ہی انھیں لے کر پیغمبر اسلام کے پاس پہنچ گئے اور خدمت میں پیش کرتے ہوئے فرمایا :۔

یا رسول اللہؐ! آپ اس سے اپنا دل بہلائیں!!

پھر جب مورخین کی اکثریت اس بات پر اڑی ہوئی ہے کہ عائشہ چھ سال کی عمر میں رسولؐ کے عقد میں آئیں تو یہ صراحت کیوں نہیں کی گئی کہ جس وقت رسولؐ نے انھیں تصویر کے ذریعہ خواب میں دیکھا اس وقت محترمہ کی عمر کیا تھی؟ آغوش مادر میں تھیں یا عمر کی دو چار منزلیں طے کرچکی تھیں۔ تین، چار برس کی بچی کا جمال پر انوار کیا ہوگا؟ اسے صرف علامہ محدث دہلوی کی عقیدت ہی سمجھ سکتی ہے۔

ان تمام عقلی دلیلوں کے باوجود عقیدت مندان عائشہ اس حدیث کو درست سمجھیں اور اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہیں تو کسی کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ

کسی کی تصویر صرف اس کی خوبیوں اور اچھائیوں کی آئینہ دار نہیں ہوتی بلکہ برے لوگوں اور مجرموں کی پہچان کے لئے بھی کام آتی ہے۔

حضرتِ عائشہ کی مزاجی کیفیت

منچلی، رنگین مزاج اور شوقین عورتوں کی صفت میں حضرت عائشہ سرفہرست ہیں۔ رسولؐ ایسے شائستہ اور مہذب شخص کے گھر میں آنے کے بعد بھی ناچ رنگ، گانا بجانا اور کھیل کود آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا، جیسا کہ بخاری، مسلم، مشکواۃ اور ترمذی وغیرہ کی روایتوں سے ثابت ہے۔

اہلبیتؑ سے دشمنی، اور پیغمبرؐ کی دیگر ازواج سے رشک و حسد، اور نفرت و کدورت آپ کی طینت میں رواں دواں تھی۔ آپ کی متحرک و مضطرب طبیعت، شرف و منزلت اور بزرگی و برتری کا آسمان چھونے کے لئے ہر لمحہ بے چین رہتی تھی۔ نخوت، غرور اور خود پرستی کا یہ عالم تھا کہ اپنے آگے کسی کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتی تھیں، انھیں صرف اپنے میکے والوں اور رشتہ داروں کا خیال رہتا تھا اور انھیں پر جان چھڑکا کرتیں تھیں۔ مزاج میں چڑچڑاپن بھی تھا، جس کی وجہ سے بات بات میں پیغمبرؐ اور ان کی ازواج سے لڑائی جھگڑا، تکرار، تو تو میں میں، اور مار پیٹ ہوا کرتی تھی۔ غیبت اور چغل خوری کی عادت سے مجبور تھیں، فطرت میں نفاست پسندی اور خودنمائی تھی اس لئے اپنے بناؤ سنگھار اور آرائش و زیبائش کا خیال رکھتیں تھیں اور خوشبو میں بسے ہوئے زرد و سرخ کپڑے زیادہ پہنتی تھیں تاکہ شوہر کی توجہ آپ کی بھرپور جوانی پر ہمہ وقت مرکوز رہے۔

پارٹی بندی

حضرت عائشہ کے جذبۂ حسد نے ازواج رسولؐ میں اختلاف و افتراق پیدا کرکے انھیں باقاعدہ دو پارٹیوں میں تقسیم کردیا تھا۔ ایک پارٹی کی قیادت معظمہ خود فرماتی تھیں جو رسول اکرمؐ کی پریشانی اور ایذا رسانی کا سامان مہیا کیا کرتی تھی اور دوسری پارٹی کی نمائندہ حضرت

ام سلمہ تھیں جو پیغمبرؐ کی ہمدرد، غمگسار، معین و مددگار، دکھ سکھ کی ساتھی اور اہلبیتؑ کی حامی و ہمنوا تھی۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی نے انس سے روایت کی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں میں دو پارٹیاں تھیں ایک پارٹی میں حضرت عائشہ، حفصہ، صفیہ اور سودہ تھیں اور دوسری پارٹی میں آنحضرتؐ کی اور بیویاں تھیں[1]" مصری مورخ عباس محمود عقاد فرماتے ہیں کہ :۔

"تمام بیویوں میں حضرت ام سلمہؓ ہی حضرت عائشہ کا کھلم کھلا مقابلہ کیا کرتی تھیں۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طبیعت اور سرشت سے اچھی طرح واقف تھے اس لئے ان سے بہت اچھا سلوک کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ کو یہ دیکھ کر بہت تکلیف ہوتی تھی۔ چنانچہ وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میں نے ان سے کہا :

آپ سارا دن کہاں رہے؟

آپ نے جواب دیا :۔

حمیرا! میں ام سلمہ کے پاس تھا۔

میں نے کہا :۔

نہ معلوم ام سلمہ کے پاس آپ کو کیا ملتا ہے؟ حضورؐ یہ سن کر مسکرادئے اور زبان سے کچھ نہیں کہا :

پھر میں نے کہا یا رسول اللہ! یہ تو بتائیے! اگر دو گھاٹیاں ہوں، ایک گھاٹی بنجر ہو جس کا سبزہ جانوروں نے کھاکر ختم کردیا ہو اور ایک گھاٹی سرسبز و شاداب ہو اور جانوروں سے محفوظ تو آپ کس گھاٹی میں سیر کرنا پسند کریں گے؟ حضور نے جواب دیا! سرسبز و شاداب گھاٹی میں۔ تب میں نے کہا کہ میرا رتبہ تمام بیویوں سے

---

[1] کشف الغمہ ج ۲ ص ۷۳

اسماءؑ بنت عمیس سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ :-

"جب فاطمہ زہراؑ کی وفات ہوگئی تو حضرت عائشہ تشریف لائیں میں نے ان کو حجرے میں داخل ہونے نہیں دیا تو انھوں نے خفا ہو کر اپنے والد ابوبکر سے شکایت کی۔ ابوبکر آئے اور انھوں نے وجہ دریافت کی کہ عائشہ کو تم بنت رسول کے پاس کیوں نہیں جانے دیتیں۔ میں نے کہا کہ :-

"خود بنت نبیؐ نے اس امر کی ممانعت فرمائی ہے کہ میں انھیں، ان کے جنازہ پر نہ آنے دوں"[1]

اسماءؑ بنت عمیس سے مروی، یہ روایت، پہلی روایت سے زیادہ قریب قیاس اور قابل قبول ہے کیونکہ معظمہ اس وقت ابوبکر کی بیوی اور عائشہ کی سوتیلی ماں تھیں، نیز یہ کہ آپ موقع پر موجود تھیں۔

اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ معصومہ کونین سے عائشہ کا عناد اس حد تک تھا کہ آپ نے اپنے جنازہ پر انھیں آنے سے روک دیا تھا۔

بہر حال۔ جب پیغمبرؐ کی بیٹی سے عائشہ کا عناد اس انتہا پر تھا تو جس کا دامن معصومہ سے وابستہ تھا وہ کس طرح ان کی دشمنی سے محفوظ رہ سکتا تھا؟ اور جس کے بارے میں عائشہ پیغمبرؐ کے یہ ارشادات برابر سنتی رہتی تھیں کہ :-

- علیؑ کا دوست مومن اور ان کا دشمن کافر ہے[2]
- میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کے دروازہ ہیں[3]
- علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں[4]
- علیؑ میرے بعد جملہ مومنین کے ولی ہیں[5]
- علیؑ کی دوستی گناہوں کو کھا جاتی ہے[6]

---

[1] ذخائر العقبیٰ محب الدین بصری ص ۵۳ ۱۳۵۶ھ، استیعاب ج ۲ ص ۷۷۲ [2] کوکب دری ص ۱۷۸ [3] کوکب دری ص ۱۹۶ [4] کوکب دری ص ۱۵۵ [5] کوکب دری ص ۱۵۴ [6] کوکب دری ص ۱۵۷

علیؑ اور میں ایک ہی نور کے دو ٹکڑے ہیں[1]

علیؑ کی طرف نظر کرنا عبادت ہے[2]

علیؑ کا خون میرا خون اور علیؑ کا گوشت میرا گوشت ہے[3]

علیؑ جنت اور دوزخ کے تقسیم کار ہیں[4]

علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ ہے[5]

میرے بعد جب فتنہ پیدا ہو تو اس وقت علی کی اطاعت واجب ہے[6]

امیر المومنینؑ کے ان فضائل و مناقب کے ساتھ رسول اکرمؐ نے یہ بھی فرمایا :-

"علیؑ پر خروج کرنے والا کافر ہے"[7]

جنگ جمل کے بعد جب حضرت عائشہ سے پوچھا گیا کہ اس حدیث کی موجودگی میں آپ نے علیؑ پر خروج کیوں کیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت مجھے یہ حدیث یاد نہیں رہی۔

پیغمبر اسلامؐ نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ سے کدورت و عداوت رکھنے والوں کو "حرامی" بھی قرار دیا ہے[8] لیکن چونکہ حضرت عائشہ کو "ام المومنین" کا مرتبہ بھی حاصل ہے اس لئے میں ان کے بارے میں کچھ کہنے کا حق نہیں رکھتا مگر یہ کہے بغیر رہ بھی نہیں سکتا کہ حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، امام حسنؑ امام حسینؑ کے خلاف آپ کا مخالفانہ رویہ تاریخ کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ چنانچہ اس ذیل میں بخاری کا کہنا ہے کہ :-

"ام المومنین حضرت عائشہ کو حضرت علیؑ سے اس قدر دشمنی تھی کہ وہ ان کا نام اپنی زبان پر لانا پسند نہیں کرتی تھیں"[9]

مورخ اسلام علامہ احسان اللہ گورکھپوری نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے :-

"آنحضرتؐ۔ حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ پر از حد فریفتہ تھے۔ عائشہ کو

---

[1] کوکب دری ص ۱۵۲ [2] کوکب دری ص ۱۶۱ [3] کوکب دری ص ۲۶۳ [4] کوکب دری ص ۱۶۷ [5] کوکب دری ص ۱۶۶ [6] کوکب دری ص ۱۶۸ - [7] کوکب دری ص ۱۸۶ منقبت ۱۳۸ [8] ریاض النظرہ ج ۲ ص ۱۸۹ [9] بخاری ج ۱ ص ۸۱ مصر۔

باقتضائے انسانیت اس کا رشک تھا اور وہ رشک مختلف واقعات سے نفرت کی حد تک پہنچ گیا تھا[1]

علامہ موصوف کے "باقتضائے انسانیت" سے مجھے قطعی اتفاق نہیں ہے کیونکہ رشک و حسد ہر انسان میں نہیں ہوتا بلکہ بعض لوگوں کی سرشت میں فطرتاً حاسدانہ عنصر پایا جاتا اور رشک اسی حاسدانہ عنصر کا ایک حصّہ ہے۔ اس کے علاوہ علامہ کو یہ صراحت بھی فرمانا چاہئے تھا کہ "وہ مختلف واقعات" کیا تھے جو عائشہ کی مخالفت کو ہوا دیتے رہے اور ان کے جذبۂ نفرت کو ابھارتے رہے جن کی وجہ سے آپ نفرت کے سمندر میں غرق ہوگئیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ان واقعات میں سب سے اہم واقعہ "واقعۂ افک" ہے جس کے ذیل میں پیغمبر اسلامؐ سے حضرت علیؑ نے یہ فرمایا تھا کہ "عائشہ آپ کی جوتی کا تسمہ ہے" اسے چھوڑیئے اور طلاق دے کر الگ کیجئے۔

ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ نے اپنے بارے میں جب حضرت علیؑ کے یہ کلمات سنے ہوں گے تو بیقراری کے بستر پر کروٹیں بدلنے لگی ہوں گی اور ان کے دل میں امیر المومنینؑ کے خلاف نفرت و عداوت کا جذبہ انتہائی شدت سے ابھرا ہوگا۔ اس کے علاوہ ایسے بھی واقعات پیش آتے رہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے بعض امور میں ان کے والد ابوبکر کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کو امتیازی اور خصوصی مرتبہ عطا کیا اور ان کے مدارج کو نمایاں اور بلند کیا۔ جیسے کہ سورہ برأت کی تبلیغ کے موقع پر ابوبکر کو معزول کرکے انھیں واپس بلا لینا اور حکم الٰہی کے تحت یہ عظیم خدمت حضرت علیؑ کے سپرد کر دینا۔ یا اسی طرح مسجد نبوی میں کھلنے والے تمام دروازوں کو (جن میں ابوبکر کا دروازہ بھی شامل تھا) بند کرا دینا اور صرف حضرت علیؑ کے گھر کا دروازہ کھلا رہنے دینا۔

عائشہ کو اپنے باپ کے مقابلے میں حضرت علیؑ کا یہ تفوق کیونکر گوارہ ہوتا چنانچہ جب بھی کوئی امتیازی صورت پیدا ہوتی تو معظمہ اس کا ڈٹ کر سامنا کرتیں اور اسے مٹانے میں کوئی

---

[1] تاریخ اسلام ص ۲۸۵

کسر نہ اٹھا رکھتیں۔

چنانچہ ان کی اس جد و جہد کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ جب پیغمبرؐ نے وقتِ آخر اسامہ کا لشکر ترتیب دیا اور تمام انصار و مہاجرین کے ساتھ ابوبکر و عمر کو بھی اس لشکر میں شامل ہو کر جانے کا حکم دیا، نیز یہ لشکر ان دونوں حضرات کے انتظار میں حدود مدینہ سے باہر نکل کر خیمہ زن ہوا تو عائشہ کی طرف سے انھیں یہ پیغام ملا کہ آنحضرتؐ کی حالت انتہائی نازک ہے لہٰذا لشکر کو پیش قدمی کرنے کے بجائے پلٹ آنا چاہئے، شاید ان کی نظروں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ مدینہ کو مہاجرین، انصار اور اکابرین صحابہ سے خالی کرانے کا مقصد صرف یہ ہو سکتا ہے کہ وفات رسولؐ کے بعد خلافت کے مسئلہ میں حضرت علیؑ سے کوئی شخص نزاع و مزاحمت نہ کر سکے اور کسی شورش انگیزی کے بغیر آپ خلافت کے منصب پر آسانی سے فائز ہو سکیں۔

چنانچہ اسامہ کا لشکر حضرت عائشہ کے اس پیغام پر افراتفری کا شکار رہا۔ جب پیغمبرؐ نے یہ دیکھا تو اسامہ کو پھر لشکر لے جانے کی تاکید کی اور یہ تک فرما دیا کہ جو شخص اسامہ کے لشکر سے تخلف کرے گا اس پر خدا کی لعنت ہوگی۔ اسامہ لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے مگر انھیں پھر پلٹا لیا گیا۔ جبکہ عائشہ کو یہ معلوم تھا کہ خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کفر کی دلیل ہے۔ غرض کہ حضور اکرمؐ کے مرض میں شدت پیدا ہوئی اور لشکر کا معاملہ آگے نہ بڑھ سکا۔ اس کارروائی کے فوراً بعد عائشہ نے بلال کے ذریعہ اپنے والد ابوبکر کو یہ پیغام بھیجا کہ نماز میں رسولؐ کی جگہ وہ امامت کے فرائض انجام دیں تاکہ ان کے لئے خلافت کا راستہ ہموار ہو سکے۔ اور یہی وہ حربہ تھا جس نے رسولؐ کے بعد ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا۔ اس کے بعد بھی خلافت کے مسئلہ میں ام المومنین کی در پردہ کوششیں یہی رہیں کہ وہ حضرت علیؑ تک نہ پہنچ سکے۔ لیکن قتل عثمان کے بعد — حالات نے اس طرح کروٹیں لیں کہ امت مسلمہ حضرت علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کیلئے مجبور ہوگئی، عائشہ اس موقع پر مکہ میں تھیں، جب انھیں حضرت علیؑ کے ہاتھ پر مسلمانوں کی بیعت کا حال معلوم ہوا تو آپے سے باہر ہوگئیں، آنکھوں سے شرارے برسنے لگے، غیظ و غضب نے مزاج میں برہمی پیدا کر دی اور نفرت و عداوت نے وہ شدت اختیار کر لی کہ جس خون کے مباح ہونے کا فتویٰ دے چکی تھیں اسی کے قصاص کا سہارا لے کر اٹھ کھڑی ہوئیں

اور کھلم کھلا حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ کا اعلان کردیا، جس کے نتیجہ میں ایسا کشت وخون ہوا کہ بصرہ کی زمین سرخ ہوگئی اور افتراق کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھل گیا۔ لیکن اس کے بعد بھی حضرت عائشہ کے دل میں عداوت کی یہ آگ مسلسل بھڑکتی رہی، یہاں تک، جب حضرت علیؑ کی شہادت واقع ہوئی تو آپ نے شکر کا سجدہ کیا، مسرت وشادمانی کا اظہار فرمایا اور طربیہ اشعار پڑھے جس پر زینب بنت سلمہ نے آپ کو ٹوکا اور کہا یہ کیا غضب کررہی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں تو بھول گئی تھی۔

حضرت علیؑ کی شہادت کے موقع پر حضرت عائشہ کی یہ بھول حشر کے دن انھیں کس طرف لے جائے گی، اس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا، صرف اندازہ ممکن ہے۔

عائشہ کی یہی نفرت وعداوت، حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہ زہراؑ سے ایک قدم آگے بڑھ کر ان کے فرزندوں امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہم السلام تک اس انداز سے پہنچی کہ آپ ان سے پردہ کرنے لگیں[1]۔ غالباً نواسوں سے "نانی جان" کا یہ پردہ اسلامی شریعت کا وہ پہلا، آخری اور واحد پردہ ہے جس کی مثال زمانہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

تاریخیں گواہ ہیں کہ اپنے ان نواسوں سے نانی جان کی عداوت کا یہ حال تھا کہ جب امام حسن علیہ السلام کو معاویہ نے جعدہ بنت اشعث کے ذریعہ زہر دلوایا اور آپ کی شہادت واقع ہوگئی تو معظمہ نے آپ کے جنازے کو روضۂ رسولؐ میں دفن نہیں ہونے دیا[2] اور ہنگامہ برپا کرنے کی غرض سے مروان بن حکم اور سعید بن عاص وغیرہ کے ساتھ خچر پر سوار ہوکر خود بھی نکل پڑیں۔ چنانچہ آپ کی قیادت میں امام حسنؑ کے جسد خاکی پر اتنے تیر برسائے گئے کہ ستّر تیر جنازے میں پیوست ہوگئے[3] اور مجبوراً امام کا جنازہ جنت البقیع میں دفن کردیا گیا۔

اس واقعہ کو شعراء نے بھی نظم کیا ہے۔ کسی شاعر کا ایک شعر بہت مشہور ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ:۔

---

[1] درمنثور سیوطی ص ۲۱۵، طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۲۸ [2] ابوالفداج ۲ ص ۱۸۳ [3] مقاتل الطالبین ص ۳۰ ۱۳۰۷ھ

"اے عائشہ تم کل اونٹ پر سوار تھیں اور آج میں دیکھتا ہوں کہ خچر پر سوار ہوکر نکلی ہو"

اہلبیتؑ اطہار سے حضرت عائشہ کی عداوت وخصومت نسوانی تاریخ کا ایک ایسا المیہ ہے جس کی مثال قیامت تک زمانہ پیش کرنے سے عاجز وقاصر رہے گا[1]

عائشہ کی چھلانگ!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ آپ جب کسی سفر یا کسی مہم سے پلٹ کر واپس آتے تو سب سے پہلے مسجد میں جاکر دو رکعت نماز ادا کرتے تھے، پھر اس کے فوراً بعد اپنی غمگسار بیٹی حضرت فاطمہ زہرا صلواۃ اللہ علیہا کے دولت سرا میں تشریف لے جاتے، ان کا حال معلوم کرتے خیریت دریافت کرتے اور ان سے اپنے سفر کی سرگزشت بیان کرتے۔ اس کے بعد نواسوں سے دل بہلاتے انھیں پیار کرتے اور کچھ دیر وہاں آرام فرماتے۔ ان تمام باتوں سے فراغت کے بعد پھر آپ امہات المومنین کی طرف متوجہ ہوتے اور ایک ایک کے گھر جاکر ان کی خیریت سے آگاہ ہوتے تھے۔

حضرت عائشہ کے لئے سرکار دو عالم کا یہ طور وطریقہ انتہائی تکلیف، اذیت اور کرب واضطراب کا باعث ہوتا، چنانچہ آپ، اکثر وبیشتر اس ناقابل برداشت طور وطریقے کے بارے میں پیغمبرؐ سے شکوہ شکایت اور "جھک جھک بک بک" کرتی رہتی تھیں اور کبھی کبھی تکرار کی نوبت بھی آجاتی تھی۔

یہ بھی اتفاق تھا کہ شہزادیٔ کونین اور عائشہ کے گھر ایک دوسرے سے متصل تھے، درمیان میں صرف ایک دیوار حائل تھی اور اس دیوار میں ایک مختصر سی کھڑکی تھی جس کا نام "خوخہ" تھا۔ آنحضرتؐ کبھی کبھی اسی کھڑکی سے عائشہ کے گھر سے حضرت فاطمہ زہراؑ کے گھر میں چلے جاتے اور کبھی معصومہؑ کے گھر سے عائشہ کی طرف آجاتے تھے۔

---

[1] تاریخ ابوالفداج ۲ ص ۱۸۳۔

نصف شب سے کچھ پہلے، ایک مرتبہ پیغمبرؐ اسلام کہیں سے تشریف لائے اور حسب دستور اپنی بیٹی کے گھر گئے۔ جناب فاطمہؑ سے گفتگو کے دوران حضورؐ کی آواز عائشہ کے کانوں سے ٹکرائی۔ بس پھر کیا تھا؟ جوانی کی امنگیں کروٹیں لینے لگیں، بستر سے اٹھ کر بیٹھ گئیں غالباً وہ شب آپ کی باری کی شب تھی اس لئے کچھ دیر تک حضورؐ کے آنے کا انتظار کرتی رہیں پھر نہ جانے کیوں آپ پر یکبارگی ایسی جنونی کیفیت طاری ہوگئی کہ آپ جھپٹ کر اٹھیں اور "درمیانی کھڑکی"، کھول کر آپ نے معصومہ کے گھر میں چھلانگ لگادی اور آستینیں سمیٹ سمیٹ کر فاطمہ زہراؑ اور رسولؐ اکرم سے لڑنے لگیں۔

عائشہ کی اس ناشائستہ حرکت پر سیّدہ فاطمہؑ بیحد رنجیدہ وملول ہوئیں اور پیغمبرؐ کے دل کو بھی انتہائی صدمہ ہوا۔ بالآخر۔ شہزادی فاطمہؑ کی خواہش پر دوسرے ہی دن آنحضرتؐ نے وہ کھڑکی بند کرادی[1] تاکہ عائشہ کی اچانک چھلانگ کا خطرہ آئندہ نہ رہے۔

رسولؐ کا تعاقب

پیغمبرؐ اسلام کا یہ اصول معین تھا کہ آپ اپنی ازواج میں ہر زوجہ کے یہاں اس کی باری کی شب استراحت فرمایا کرتے تھے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کسی ضرورت کے تحت یا عبادت کی غرض سے آپ کو کچھ دیر کے لئے باہر بھی جانا پڑتا تھا، کسی بیوی کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ رسولؐ کے اس فعل پر لب کشائی کرسکے۔ لیکن عائشہ کی باری میں جب آپ کہیں گئے تو وہ یہ سمجھیں کہ آنحضرتؐ مجھے چھوڑ کر کسی دوسری بیوی کے پاس چلے گئے ہیں۔

پھر عائشہ نے کیا طرز عمل اختیار کیا؟ اس ضمن میں خود موصوفہ نے مختلف لوگوں سے جو مختلف باتیں کیں ہیں انھیں ہم ان کی ہی زبان میں نقل کررہے ہیں۔ فرماتی ہیں کہ:۔

---

[1] جذب القلوب ص ۱۵۷ کلکتہ

"میں نے (اپنے بستر پر) ایک مرتبہ پیغمبرؐ کو نہ پایا۔ سمجھی کہ آپ کسی کنیز کے پاس تشریف لے گئے۔ میں آپ کی جستجو میں نکل کھڑی ہوئی۔ دیکھا کہ آپ مسجد میں ہیں اور فرمارہے ہیں کہ پروردگار! مجھے بخش دے[1]"،

یہ آپ نے ہلال بن یساف سے بیان فرمایا۔ پھر آپ نے ابوملیکہ سے بیان فرمایا کہ:۔

"ایک رات میں نے پیغمبرؐ کو اپنے بستر پر نہ پایا۔ سمجھی کہ وہ اپنی کسی بیوی کے پاس چلے گئے۔ تلاش میں نکلی تو دیکھا کہ آپ حالت رکوع میں ہیں[2]"،

ابوہریرہ سے بیان فرمایا کہ:۔

"میں نے ایک مرتبہ جب آنحضرتؐ کو اپنے بستر پر نہ پایا تو ادھر اُدھر ڈھونڈا۔ میرا ہاتھ آپ کے تلوے پر پڑا۔ آپ سجدے میں تھے اور استغفار فرمارہے تھے[3]"،

مذکورہ تینوں بیانات میں ہر بیان کی نوعیت مختلف ہے جن سے عائشہ کی صداقت کا پتہ چلتا ہے۔ اب آپ معظمہ کی زبانی پوری حکایت سماعت فرمائیں۔

"جب میری باری کی وہ رات آئی جس میں پیغمبرؐ کو میرے پاس ہوجانا چاہیئے تھا، آپ تشریف لے آئے، ردا اتار کر رکھی، جوتیاں پیروں ہی کے پاس اتاریں، بستر پر اپنی چادر ڈالی اور لیٹ گئے، تھوڑی دیر بعد جب آپ کو یقین ہوگیا کہ میں سورہی ہوں تو چپکے سے اٹھے، دوش پر ردا ڈالی، نعلین پہنیں، آہستہ سے دروازہ کھولا اور باہر نکل گئے اور میں خاموش سب کچھ دیکھتی رہی۔ پھر میں بھی تیزی سے اٹھی اور چادر اوڑھ کر پیغمبرؐ کے تعاقب میں پیچھے پیچھے چل پڑی۔ آنحضرتؐ بقیع کے قبرستان تک گئے اور کچھ دیر وہاں کھڑے رہے، پھر آپ نے تین مرتبہ اپنے ہاتھوں کو بلند کیا اور پلٹ پڑے، میں بھی واپس ہوئی۔ پیغمبرؐ نے تیز قدم اٹھائے میں بھی تیز قدموں سے چلنے لگی، پھر آپ دوڑنے لگے میں بھی ان کے پیچھے دوڑنے لگی اور اس قدر تیز دوڑی کہ ان سے پہلے پہنچ کر اپنے بستر پر چپ چاپ لیٹ گئی،

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل ج ۶ ص ۱۴۷ [2] مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۵۱۔ [3] مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۱

میرے بعد جب آنحضرتؐ تشریف لائے تو انھوں نے مجھ سے پوچھا :-

اے عائشہ! تمھاری سانسیں کیوں پھول رہی ہیں؟ میں نے کہا۔نہیں،ایسی تو کوئی بات نہیں ہے، اس پر آپ نے فرمایا کہ تم سچ سچ بتاؤگی کہ خدا کو بتانا پڑے گا۔

پھر میں نے اس تعاقب کا سارا قصہ پیغمبرؐ سے بیان کر دیا تو آپ نے فرمایا :-

اچھا، تو میرے آگے جو سیاہ سایہ تھا وہ تم تھیں -!!

میں نے کہا "ہاں" اس پر حضورؐ نے میری پیٹھ پر ایک ہاتھ مارا ، اور فرمایا کہ کیا تمھیں یہ گمان تھا کہ خدا اور رسول تمھاری حق تلفی کریں گے[1]"

حضرت عائشہ کے ان مختلف بیانات پر غور کرنے سے حسب ذیل امور کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) ہلال بن یساف، ابو ملیکہ اور ابو ہریرہ سے بیان کردہ روایتوں میں رسولؐ کا عمل تضاد کی منزل میں ہے، آنحضرتؐ رکوع میں تھے، سجدے میں تھے یا استغفار فرما رہے تھے؟ واللہ اعلم - اس کی ذمہ داری عائشہ پر عاید ہوتی ہے۔

(۲) عائشہ کو پیغمبرؐ پر بھروسا اور اطمینان نہیں تھا اس لئے آپ حضورؐ کی خفیہ نگرانی کیا کرتی تھیں۔

(۳) عائشہ کسی الجھن کا شکار رہتی تھیں جس کی وجہ سے آپ کو نیند نہیں آتی تھی۔

(۴) عائشہ اس تعاقب میں رسولؐ کے نزدیک ایک "سیاہ سایہ" تھیں۔

عائشہ پر شیطان

خود عائشہ کا بیان ہے کہ :-

"رسولؐ اللہ، ایک رات میرے پاس سے اٹھ کر کہیں چلے گئے تو مجھ پر جنون طاری ہو گیا، تھوڑی دیر بعد آپ واپس آئے اور میرے جنون کو دیکھا تو فرمایا :-

اے عائشہ تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ - یہ بدگمانی! میں نے کہا میں آپ جیسے انسان

[1] مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۱

کو تلاش کیوں نہ کروں؟

رسولؐ نے فرمایا: کیا تم پر شیطان سوار ہو گیا تھا؟[1]

حضرت عائشہ پر "تسکین نفس" کا بھوت سوار تھا یا کسی اور بات کا؟ اس کی صراحت نہیں ہے۔لیکن اس امر میں کوئی شک و شبہہ نہیں ہے کہ جب ان پر شیطان ہوتا تھا بلکہ ان کے اندر حلول کر جاتا تھا تو محترمہ سے عجیب و غریب حرکتیں سرزد ہوتی رہتی تھیں جیسے برتنوں کا توڑنا اور لباس کو پھاڑ ڈالنا وغیرہ

میرا خیال ہے کہ آپ کی بدگمانی اور حسد کی وجہ سے شیطان نے آپ کے قلب کا راستہ دیکھ لیا تھا۔

توڑ پھوڑ

حضرت عائشہ پر جب حسد کا ابلیس سوار ہوتا تھا تو آپ جنون کی حد سے گزر کر "توڑ پھوڑ" پر بھی اتر آتی تھیں۔چنانچہ آپ کی باری کے دن ازواج رسولؐ میں کسی نے اگر کوئی اچھی چیز پکائی اور رسولؐ کی خدمت میں بھیجی تو آپ نے کبھی اس کے برتن توڑ دئے اور کبھی وہ کھانا رسولؐ کے سامنے سے اٹھوا کر پھنکوا دیا - امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں جناب ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ :-

"ام سلمہ پیغمبرؐ کے پاس ایک پیالے میں کھانے کی کوئی چیز لے کر حاضر ہوئیں حضرت عائشہ کی نظر پڑی، ان کے ہاتھ میں ایک پتھر تھا اس پتھر سے انھوں نے اس پیالے کو توڑ دیا - پیغمبرؐ نے عائشہ کا پیالہ ام سلمہ کے حوالے کر دیا[2]"

توڑ پھوڑ کے بارے میں خود حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ :-

"میری باری تھی، میں نے رسولؐ اللہ کے لئے کھانا پکایا اور حفصہ نے بھی ان کے ماحضر کا انتظام کیا۔مجھے جب یہ معلوم ہوا کہ حفصہ نے بھی کھانا پکایا ہے تو میں،

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۱۱۵ [2] صحیح مسلم باب الغیرت، کتاب العشرت۔

کھولنے لگی، کنیز کو بلایا اور اس سے کہا کہ اگر حفصہ نے رسولؐ کے سامنے کھانا لاکر رکھ دیا ہے تو جاؤ اور اسے اٹھا کر پھینک دو - چنانچہ کنیز نے ایسا ہی کیا اور وہ کھانا اٹھا کر پھینکا تو برتن ٹوٹ گیا - اس پر پیغمبرؐ نے حفصہ سے فرمایا کہ تم اپنے برتن کے تاوان میں دوسرا برتن عائشہ سے وصول کر لو[1]"

ایسا ہی واقعہ ام المومنین صفیہ کے ساتھ بھی پیش آیا - عائشہ بیان فرماتی ہیں کہ:-

"رسولؐ اللہ میرے یہاں شب باش تھے کہ صفیہ نے ان کے لئے کھانا بھیجا، میں نے جب کنیز کو لاتے دیکھا تو مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا - میں ہاتھ مار کر پیالہ اس طرح اچھالا کہ وہ ٹوٹ گیا اور سارا کھانا گر کر برباد ہو گیا رسولؐ اللہ نے مجھے گھور کر غضبناک نگاہوں سے دیکھا تو میں نے خوشامد کی اور کہا کہ میں خدا کے رسولؐ سے پناہ مانگتی ہوں کہ آج آپ مجھ پر لعنت فرمائیں - پیغمبرؐ نے خشمگیں نظروں سے میری طرف دیکھا اور فرمایا کہ اس (قصور) کا تاوان ادا کرو - میں نے پوچھا اس کا کفارہ کیا ہوگا؟ فرمایا :- ویسا ہی کھانا اور ویسا ہی برتن[2]"

مذکورہ تینوں روائتیں حضرت عائشہ کے تخریب کار مزاج کی عکاسی کرتی ہیں اور ان میں تخریب کاری کا ہر پہلو صاف اور نمایاں اس لئے مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے -

گالم گلوچ

تاریخ یہ بتاتی ہے کہ حضرت عائشہ وقت ضرورت گالم گلوچ پر بھی اتر آتی تھیں۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ :-

حضرت عائشہ اور صفیہ میں گالم گلوچ ہوئی ، اس کی وجہ یہ تھی کہ عائشہ نے

[1] مسند احمد ج ۶ ص ۱۱۱ ، کنزل العمال ج ۳ ص ۴۴ [2] مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۷ ، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۴۸ ، حاشیہ سیرت حلبیہ ص ۲۸۳ ، ۲۸۴ -

صفیہ پر اپنی برتری جتائی تھی اور اس قدر انھیں گالیاں دی تھیں کہ وہ بیٹھی رو رہی تھیں اتنے میں حضرت رسولؐ خدا تشریف لائے اور آپ نے صفیہ سے رونے کی وجہ دریافت کی تو صفیہ نے کہا کہ عائشہ اور حفصہ مجھے گالیاں دیتی ہیں اور برا بھلا کہتی ہیں - پیغمبرؐ نے فرمایا کہ تم نے عائشہ اور حفصہ کے مقابلے میں یہ کیوں نہیں کہا کہ ہارونؑ میرے باپ اور جناب موسٰیؑ میرے چچا ہیں[1]

ترمذی میں حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ میں نے رسولؐ خدا سے کہا کہ صفیہ ایسی ہے، صفیہ ویسی ہے تو پیغمبرؐ نے فرمایا کہ تم نے ایسی گندی بات کہی ہے کہ اگر سمندر کے پانی میں ملا دیا جائے تو سارا پانی گندہ ہو جائے گا[2]

گتھم گتھا

حضرت عائشہ نے حضرت سودہ کو ایک بار یہ گنگناتے ہوئے سنا :-

"عدی وتیم تبتغی من تھالف"

عائشہ نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ سودہ کہہ رہی ہیں کہ عائشہ قبیلۂ تیم اور حفصہ قبیلہ بنی عدی سے ہیں - چنانچہ آپ آپے سے باہر ہو گئیں اور حفصہ کو بھی ابھارا کہ سودہ ہم دونوں کو ایسا ایسا کہہ رہی تھیں، حفصہ نے پوچھا پھر کیا ہونا چاہئے؟ عائشہ نے کہا کہ چلو چلیں، جب میں سودہ کا سر پکڑوں تو میری مدد کرنا اور تماشہ دیکھنا - وہ دونوں سودہ کے پاس آئیں، عائشہ نے ان کا سر پکڑا ، حفصہ نے مدد کی، اتنے میں ام سلمہ پہنچ گئیں انھوں نے سودہ کی مدد کی - بس پھر کیا تھا باضابطہ گتھم گتھا شروع ہو گئی ، کسی نے پیغمبرؐ کو جاکر خبر کی کہ جلدی جائیے اور ازواج کی خبر لیجئے - جب پیغمبرؐ نے آکر یہ حال دیکھا تو فرمایا :-

وائے ہو تم پر - یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ عائشہ نے کہا یا رسولؐ اللہ! کیا آپ انھیں یہ کہتے نہیں سنتے کہ :

[1] طبقات ج ۸ ص ۱۲۷ ، مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۹ [2] ترمذی بنا بر روایت زرکشی ، اجابۃ ص ۷۳ ، مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۱۶

"عدی وتیم تبتغی من تحالف"

آپ نے فرمایا وائے ہو تم پر۔ اس سے مراد تمھارے عدی وتیم نہیں ہیں بلکہ ان کی مراد تمیم کے عدی اور تمیم کے تیم سے ہے[1]

عائشہ کی پٹائی

عائشہ اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایک مرتبہ کسی بات پر لڑائی ہو رہی تھی اور آپ اس نوک جھونک سے پریشان ہو چکے تھے کہ اتنے میں ابوبکر وارد ہو گئے۔ حضورؐ نے ابوبکر سے فرمایا کہ میں تنگ آ چکا ہوں مجھے عائشہ سے بچاؤ۔

پیغمبرؐ کی یہ فریاد سن کر ابوبکر غیظ کے عالم میں عائشہ کی طرف بے اختیار بڑھے اور ایک ایسا ہاتھ رسید کیا کہ وہ لہولہان ہو گئیں[2]

عائشہ کی اس پٹائی پر پیغمبر اسلام دل ہی دل میں یقیناً لطف اندوز ہوئے ہوں گے۔ لیکن چونکہ آپ رحمت اللعالمین تھے اور محسن انسانیت بھی۔ اس ازراہ انسانیت عائشہ کی دلجوئی کی خاطر آپ نے فرمایا کہ میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ تم انھیں اس طرح مارو۔

بخاری باب التیمم اور مسلم باب القسم بین الزوجات میں ہے کہ کئی مرتبہ ابوبکر نے ان کو بری طرح تادیب کی۔

عائشہ پر حضرت عمر کی لعنت ملامت!

جنگ خندق کے موقع پر عائشہ کے دل میں مردانگی کا جذبہ بیدار ہوا اور انھیں یہ شوق پیدا ہوا کہ میں بھی لڑائی دیکھوں۔ چنانچہ آپ رسولؐ سے اجازت حاصل کئے بغیر گھر سے نکل کھڑی ہوئیں اور میدان جنگ کے قریب پہنچ گئیں، راستہ میں دیکھا کہ اصحاب آلات جنگ سے آراستہ جوش وخروش میں رجز پڑھتے ہوئے جا رہے ہیں۔

---

[1] اجابۃ زرکشی ص ۱۸۔ [2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۵۶

اتنے میں آپ کی نظر ایک باغ پر پڑی اور آپ اس کے اندر چلی گئیں۔ وہاں بہت سے اصحاب کھڑے تھے جن میں حضرت عمر بھی تھے۔ عمر کی نظر جب عائشہ پر پڑی تو وہ حواس باختہ ہو گئے اور ڈانٹ کر کہنے لگے تم یہاں کیوں چلی آئیں۔ اگر کوئی بلا نازل ہو گئی تو (تمھیں بچانے میں) ہم سب کٹ مر جائیں گے۔ عائشہ فرماتی ہیں کہ اس وقت عمر نے مجھ پر اتنی لعنت ملامت کی کہ میرا جی چاہتا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں[1]۔

بخاری کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اور بھی آنحضرتؐ سے جنگ میں شرکت کی اجازت چاہی تھی مگر حضورؐ نے یہ کہہ کر انھیں روک دیا تھا کہ عورتوں کا جہاد صرف حج ہے[2]

تعجب، بالائے تعجب، یہ امر ہے کہ جس بیٹی کا باپ ہمیشہ میدان جنگ سے فرار اختیار رہا ہو۔ اس میں یہ حوصلہ کہاں سے پیدا ہو گیا کہ وہ میدان جنگ کے خونی دھماکوں سے لطف اندوز ہونے کی خواہش کرے۔ اور حیرت بالائے حیرت اس بات پر ہے کہ جب رسولؐ نے جو عائشہ کے شوہر بھی تھے اس سے قبل میدان جنگ میں جانے سے یہ کہہ کر منع کر دیا تھا کہ عورتوں کا جہاد حج ہے تو پیغمبرؐ کی اجازت کے بغیر اس موقع پر انھوں نے گھر سے باہر قدم کیوں نکالا؟ کہ عمر کو رسولؐ اللہ کی ایک زوجہ پر لعنت ملامت کرنا پڑی۔ پھر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر جنھیں میدان جنگ میں ہونا چاہیے، چند اصحاب کو لئے باغ میں کیا کر رہے تھے؟ اس کا جواب ہر وہ تاریخ دے سکتی ہے جس میں میدان جنگ سے حضرت عمر کے فرار کی داستانیں مرقوم ہیں۔

پیغمبرؐ کی دیگر ازواج سے عائشہ کا حسد

مورخین نے تحریر کیا ہے کہ عائشہ کا رویہ، ماریہ قبطیہ، زینب بنت جحش، صفیہ بنت حی اور ملیکہ بنت کعب وغیرہ سے بیحد حاسدانہ تھا کیونکہ یہ سب عورتیں عائشہ سے کہیں زیادہ حسین وخوبصورت تھیں۔ ان مستورات کے علاوہ آپ ان عورتوں سے بھی

---

[1] مسند احمد بن حنبل ص ۹۹۔ ۱۴۱ [2] صحیح بخاری باب حج النساء۔

بیحد جلتی تھیں جنھوں نے اپنا نفس پیغمبرؐ کو ہبہ کر دیا تھا چنانچہ آپ خود فرماتی ہیں کہ:۔

"میں ان عورتوں سے بہت جلتی تھی جنھوں نے اپنا نفس پیغمبرؐ کو ہبہ کر دیا تھا اور میں کہا کرتی تھی کہ کہیں کوئی شریف عورت اپنا نفس کسی کو ہبہ کرتی ہے[1]"۔

ابن سعد واقدی نے طبقات[2] میں بسلسلۂ حالات ام شریک اس روایت کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ معظمہ جنھوں نے اپنا نفس پیغمبرؐ کو ہبہ کر دیا تھا' اُن کا نام غزیہ تھا۔ اور یہ روایت اصابہ[3] میں تفصیلی بیان ہوئی ہے۔ لیکن ان معظمہ کے نام ونسب اور کنیت میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایسی کئی عورتیں تھیں جنھوں نے اپنا نفس پیغمبرؐ کو ہبہ کیا تھا اور جن سے عائشہ کو بیزاری تھی۔ عائشہ نے بھی اپنے بیان میں "عورتوں" کہہ کر جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے، نیز مسند احمد میں بھی ہے کہ عائشہ ان عورتوں کو طعنہ دیا کرتی تھیں جنھوں نے اپنا نفس پیغمبرؐ کو ہبہ کیا تھا[4]۔ صحیح مسلم میں ہشام سے روایت ہے کہ خولہ بنت حکیم بھی ان عورتوں میں شامل ہیں جنھوں نے اپنا نفس ہبہ کیا تھا اور عائشہ ان کے متعلق فرماتی تھیں کہ اس عورت کو شرم نہیں آتی کہ اس نے اپنا نفس ہبہ کر دیا[5]

اعوذ باللہ منک

طبقات ابن سعد میں، ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسماء بنت نعمان (جونیہ) سے عقد فرمایا' یہ اپنے وقت کی انتہائی حسین وجمیل اور خوبصورت خاتون تھیں، پیغمبرؐ کی دیگر ازواج نے جب اسماء کو دیکھا تو ان پر رشک وحسد طاری ہوا' عائشہ اس معاملے میں سب سے آگے تھیں لہٰذا انھوں نے فریب کاری کا ایک منظم منصوبہ تیار کیا اور اسماء سے یہ کہا کہ رسولؐ اللہ، اس عورت سے بہت خوش ہوتے ہیں جو دخول

---

[1] بخاری ج ۳ ص ۱۱۸ و مسلم باب جواز ہبہ ج ۴ ص ۳۷۴ [2] طبقات ج ۸ ص ۱۵۴ [3] اصابہ ج ۴ ص ۳۶۲، ۴۸۴ [4] مسند احمد ج ۶ ص ۱۹۸ [5] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۶۴

کے وقت ان سے "اعوذ باللہ منک" (یعنی میں آپ سے خدا کی پناہ چاہتی ہوں) کہے عائشہ کی یہ بات بھولی بھالی اسماء پر اثر انداز ہوئی، چنانچہ جب پیغمبر اسلامؐ تشریف لائے اور انھوں نے اسماء کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو کہا' "اعوذ باللہ منک" پیغمبرؐ نے اس کی طرف سے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا کہ تم نے بہت بڑی پناہ مانگی ہے لہٰذا میں تمھیں آزاد کرتا ہوں تم اپنے گھر واپس جا سکتی ہو[1]

حمزہ بن ابوسعید ساعدی نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے تھے: پیغمبرؐ نے اسماء بنت نعمان (جونیہ) سے عقد فرمایا اور مجھ سے لانے کو کہا، میں اسے لے کر حاضر خدمت ہوا۔ حفصہ نے عائشہ سے یا عائشہ نے حفصہ سے کہا کہ تم اس کے ہاتھوں میں مہندی لگاؤ میں بالوں میں کنگھی کرتی ہوں۔ دونوں نے مل کر مہندی لگائی، بال سنوارے اس کے بعد ان دونوں میں سے کسی ایک نے اسماء سے یہ کہا کہ پیغمبرؐ اس عورت کو بہت محبوب رکھتے ہیں جو وقت جماع "اعوذ باللہ منک" کہتی ہے۔ چنانچہ جب پیغمبرؐ اس کے خلوت کدے میں تشریف لائے اور آپ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو اس کی زبان سے اعوذ باللہ منک نکلا۔ حضورؐ نے ہاتھ سمیٹ لیا اور اپنی آستین سے اپنا چہرہ ڈھک لیا اور تین مرتبہ فرمایا کہ تو نے بڑی پناہ مانگی ہے لہذا اپنے گھر واپس چلی جا[2]

ابوسعید کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر بعد حضرت علیؑ تشریف لائے اور انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ اسے اس کے گھر والوں کے پاس پہنچا دو اور دو جوڑے کپڑے دے دو۔ اس واقعہ کے بعد، اسماء کہا کرتی تھی کہ میں بدبخت ہوں[3]

تہذیب ابن عساکر میں ہے کہ جب اسماء کو غیر معمولی طور پر حسین وجمیل پایا گیا تو ازواج کی طرف سے اسے دھوکا دیا گیا جب رسولؐ کو یہ خبر ہوئی کہ یہ عائشہ اور حفصہ کی حرکت تھی تو آپ نے فرمایا:۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۴۵ [2] طبری ج ۳ ص ۷۹، مستدرک ج ۴ ص ۳۷، استیعاب ج ۲ ص ۷۳، [3] اصابہ ج ۳ ص ۳۵۰

یہ سب یوسف والیاں ہیں اور انھیں کی طرح مکار و فریب کار ہیں[1]

ملیکہ پر عائشہ کا جادو

ابن سعد نے طبقات میں اور ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ رسولؐ نے ملیکہ بنت کعب سے عقد کیا جو حسن و جمال میں یکتا تھیں۔ حضرت عائشہ کو یہ بات ناگوار گزری کیونکہ ملیکہ کا غیر معمولی حُسن اُن کے لئے ناقابل برداشت تھا۔

ملیکہ کا باپ فتح مکہ کے موقع پر خالد بن ولید کے ہاتھوں قتل ہو چکا تھا اور چونکہ وہ اپنے باپ کے قاتل کے نام سے ناآشنا تھی اس لئے عائشہ سے جب اس کا سامنا ہوا تو محترمہ نے اس پر نفسیاتی حربہ استعمال کیا اور اس سے کہا کہ "تمھیں اپنے باپ کے قاتل سے نکاح کرتے ہوئے شرم بھی نہیں آئی"[2]

ملیکہ نے عائشہ سے کہا:۔

ار.. کیا ہو سکتا ہے؟ مجھے تو یہ گمان بھی نہیں تھا کہ رسولؐ میرے باپ کے قاتل ہیں۔!! عائشہ نے کہا کہ یہ صورت ہو سکتی ہے کہ جب آنحضرتؐ تمھارے ساتھ خلوت نشین ہوں تو ان سے کہنا کہ میں آپ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں، ممکن ہے کہ نجات مل جائے۔

چنانچہ عائشہ کے اکسانے پر ملیکہ نے ایسا ہی کیا اور رسول اللہؐ نے اسے طلاق دے دی۔

طلاق کے بعد ملیکہ کے خاندان والے رسولؐ کے پاس آئے اور آپ سے کہا:۔

یارسولؐ اللہ! یہ ناسمجھ اور کمسن ہے، بہکانے اور ورغلانے میں آگئی ہے آپ اسے دوبارہ رجوع فرمالیں لیکن رسولؐ نے انکار کر دیا[3]

یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسولؐ اللہ کو کمسن اور حسین و خوبصورت لڑکیوں سے نکاح کرنے کا کوئی شوق نہیں تھا ورنہ وہ ملیکہ بنت کعب کو طلاق نہ دیتے کیونکہ وہ

---

[1] تہذیب ابن عساکر ج ۱ ص ۳۰۹ [2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۴۸، تاریخ ابن کثیر ج ۵ ص ۲۹۹
[3] اصابہ ج ۴ ص ۳۹۲، تاریخ ابن عساکر ج ۱ ص ۳۰۹، ذہبی ج ۱ ص ۳۲۵

وہ کمسن بھی تھی اور حسن و جمال کا مجسمہ بھی۔

نیز۔ اسماء بنت نعمان پر گزرنے والے واقعہ اور اس واقعہ کی نوعیت بھی تقریباً ایک سی ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ عائشہ نے نیک اور شریف عورتوں کو دھوکے دئے اور انھیں نبیؐ کی زوجیت سے محروم کر دیا۔ چنانچہ انھوں نے اسماء کو فریب دیا کہ پیغمبرؐ اس عورت سے بہت خوش ہوتے ہیں جو "اعوذ باللہ منک" کہتی ہے اور ملیکہ کو یہ باور کرا دیا کہ تمھارے باپ کے قاتل رسولؐ ہیں۔ یہ وہ جادو تھا کہ جس نے ان دونوں سادہ لوح عورتوں کا مستقبل تباہ و برباد کر دیا جس کی مجرم عائشہ اور صرف عائشہ ہیں، یہ اور بات ہے کہ اس کام کے لئے حفصہ کو بھی استعمال کیا۔

ماریہ قبطیہ کی سرگزشت

طبقات ابن سعد کی روایت ہے کہ اسکندریہ کے شاہ مقوقس نے ۷ھ ہجری میں ماریہ قبطیہ اور ان کی بہن سیرین کو مع ایک ہزار مثقال سونا، بیس جوڑ عمدہ نفیس اور بیش قیمت کپڑے، عفیر یا یعفور نامی گدھا اور دلدل نامی خچر، حاطب بن بلتعہ کے ہمراہ پیغمبرؐ اسلام کی خدمت میں روانہ کیا اور اس کے ساتھ ہی مرد خصی جس کا نام "مابور"[ع] تھا، کو بھی بھیجا جو ماریہ کا بھائی اور ایک سن رسیدہ شخص تھا۔ حاطب نے ماریہ اور سیرین کے سامنے اسلام قبول کیا اور انھیں بھی رغبت دلائی، چنانچہ وہ دونوں بہنیں بھی مسلمان ہو گئیں مگر وہ مرد خصی اپنے آبائی دین پر قائم رہا اور کچھ دنوں بعد پیغمبرؐ کی زندگی ہی میں مسلمان ہوا۔

رسولؐ خدا ان ماریہ کو جو آگے چل کر ابراہیم کی ماں ہوئیں، بیحد چاہتے تھے۔۔ یہ انتہائی حسین و خوبصورت بھی تھیں اور ان کے بال بھی کافی لمبے اور دلکش تھے۔ رسولؐ نے انھیں پردے میں رکھا اور مقام "عالیہ" میں ٹھہرایا۔ آپ ان کے پاس برابر آتے جاتے رہے، یہاں تک کہ یہ حاملہ ہوئیں اور وہیں ان کا وضع حمل ہوا، پیغمبرؐ کی کنیز سلمیٰ نے

[ع] مابور کا نام بعض مورخین نے جریج تحریر کیا ہے۔

دایہ کی خدمات انجام دیے اور سلمیٰ کے شوہر ابو رافع نے پیغمبرؐ کو ابراہیم کی ولادت کی خوش خبری سنائی۔ آپ نے انھیں ایک غلام انعام میں دیا۔ یہ واقعہ ماہ ذی الحجہ ۸ھ ہجری کا ہے[1]۔

علامہ جلال الدین سیوطی کی تصنیف "حسن المحاضرہ" کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ مقوقس نے پیغمبرؐ کی خدمت میں ایک خط بھی ارسال کیا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: جن باتوں کی طرف آپ نے میری توجہ مبذول کرائی ہے اور جس امر کی طرف دعوت دی ہے، اس پر میں نے سنجیدگی اور متانت سے غور کیا۔ مجھے معلوم تھا کہ ایک نبیؐ آنے والے ہیں مگر میں سمجھتا تھا کہ وہ ملک شام میں مبعوث ہوں گے۔ بہر حال مختصر تحائف کے ساتھ دو لڑکیاں ایسی آپ کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں جو قبطیوں میں بڑی عزت و شرف اور عظمت و احترام کی مالک ہیں[2]"۔

عائشہ کا بیان ہے کہ:۔

"جو حسد اور جلن مجھے ماریہ سے تھی وہ کسی عورت سے نہیں تھی کیونکہ یہ انتہائی حسین و جمیل ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے لمبے اور خوبصورت بالوں والی تھیں، پیغمبرؐ نے انھیں خود پسند کیا تھا اور جب انھیں لے آئے تو پہلے حارثہ بن نعمان کے گھر میں اتارا، پھر وہ ہم سے گھبرائیں اور پریشان ہوئیں تو آنحضرتؐ نے انھیں مقام عالیہ میں منتقل کر دیا اور آپ برابر وہاں آتے جاتے رہے۔ پیغمبرؐ کا ماریہ کے پاس آنا جانا مجھ پر شاق گزرتا اور میں حسد کی آگ میں جلتی رہتی، یہاں تک کہ ماریہ کے بطن سے خدا نے انھیں فرزند عطا کیا اور میں محروم رہ گئی[3]"

طبقات ابن سعد کی روایت، حسن المحاضرہ سے ماخوذ خلاصۂ مکتوب اور خود عائشہ کے بیان سے ان کے "حسد و جلن" کی مندرجہ ذیل وجوہات کا پتہ چلتا ہے۔

---

[1] طبقات ج ۸ ص ۲۱۲ و جلد ۱ ص ۱۳۴ حالات ابراہیم فرزند نبیؐ [2] حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۴۷، مصر
[3] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۵۰۔ ۲۰۲۔

(۱) ماریہ قبطیہ کی خوبصورتی اور حسن و جمال کے سامنے عائشہ احساس کمتری کا شکار تھیں۔

(۲) ماریہ۔ شہزادی اور عظمت و احترام کی مالک تھیں، نیز کافی سازوسامان کے ساتھ باوقار طور پر رسولؐ کے گھر میں آئیں تھیں جبکہ عائشہ کو اپنے والدین کی طرف سے کچھ بھی نہ مل سکا تھا۔

(۳) پیغمبرؐ نے ماریہ کو خود پسند فرمایا تھا اور وہ انھیں بیحد چاہتے تھے

(۴) ماریہ کے بال لمبے اور خوبصورت تھے جبکہ عائشہ گنجی تھیں اور آپ کے بال بیماری کی نذر ہو چکے تھے۔

(۵) خدا نے پیغمبرؐ سے ماریہ کو اولاد عطا کی تھی جبکہ عائشہ اس نعمت سے محروم تھیں۔

یہ تمام باتیں ایسی ہیں جن کا تصور عائشہ کے لئے یقیناً انگاروں کا بستر تھا، جس پر آپ کا مجروح "پندارِ خودی" کروٹیں لیا کرتا تھا اور آپ دل ہی دل میں کڑھتی اور جلتی رہتی تھیں، پھر ابراہیم کی ولادت نے آپ کے بغض و عناد میں اور اضافہ کیا جیسا کہ خود آپ کا بیان ہے کہ خدا نے ماریہ کے بطن سے رسولؐ کو فرزند عطا کیا اور میں یوں ہی رہ گئی۔

اب آپ سوچیں۔ سمجھیں۔ اور خود فیصلہ کریں کہ پیغمبر اسلامؐ اپنی ایسی کسی بیوی کو کیونکر عزیز رکھ سکتے تھے جو آپ کی دیگر ازواج سے بے پناہ رشک و حسد رکھتی ہو۔ انھیں برا بھلا کہتی ہو، ان کے برتن توڑتی ہو، لڑائی جھگڑا اور مار پیٹ کرتی ہو، انھیں ورغلاتی اور بہکاتی ہو، فریب دیتی ہو، جھوٹ بولتی ہو، غیبت کرتی ہو اور عیب جوئی اس کا شعار ہو۔ پیغمبرؐ ایسی کسی بیوی کو کیونکر محبت دے سکتے تھے جو آپ کے معصوم بیٹے ابراہیم سے نفرت کرتی ہو، آپ کی قدسی صفات بیٹی (فاطمہؑ) سے عداوت رکھتی ہو، اپنے نواسوں سے پردہ کرتی ہو اور آپ کے ابن عم۔ حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی ایسی دشمن ہو کہ ان کا نام لینا بھی گوارہ نہ کرتی ہو۔ پیغمبرؐ ایسی کسی عورت کو کیونکر عزت کی نظر سے دیکھ

سکتے تھے جو آپ کی خفیہ نگرانی کرتی ہو، آپ کی ٹوہ میں رہتی ہو اور بغیر آپ کی اجازت کے گھر سے باہر نکل جاتی ہو۔ پیغمبرؐ ایسی کسی بیوی کو کیونکر منہ لگا سکتے تھے جو آپ کی دوسری بیوی کو یہ باور کرا دے کہ اس کے باپ کے قاتل خود رسولؐ ہیں۔

انھیں وجوہات کی بنا پر عقل یہ تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوتی کہ پیغمبرؐ عائشہ کو اپنی تمام بیویوں سے زیادہ چاہتے رہے ہوں گے یا انھیں محبوب رکھتے رہے ہوں گے، بلکہ عقل کا فیصلہ یہ ہے کہ پیغمبرؐ عائشہ سے نفرت کرتے تھے اور آپ نے امت کو بھی ان کے شر سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے[1]۔ نیز بخاری کی یہ روایت بھی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضور اکرمؐ عائشہ سے قطعی خوش نہیں تھے۔ تحریر فرماتے ہیں :۔

"میں نے قاسم ابن محمد سے سنا کہ انھوں نے کہا :۔
عائشہ نے کہا، ہائے میرا سر پھٹا تو رسولؐ نے کہا اگر ایسا ہوتا تو میں تمھارے لئے خدا سے دعا کرتا! عائشہ نے کہا :۔ وا مصیبتا! خدا کی قسم آپ چاہتے ہیں کہ میں مر جاؤں تا کہ آپ اپنی آخری عمر تک دوسری ازواج سے لطف اٹھاتے رہیں[2]"

کیا یہ روایت آپ کو یہ بتاتی ہے کہ رسولؐ اکرم عائشہ سے محبت فرماتے تھے؟

حضرتِ عائشہ اور عظمتِ رسولؐ

تاریخ پکار پکار کر کہتی ہے کہ حضرت عائشہ خانۂ رسالت میں ایک آفت بن کر نازل ہوئی تھیں۔ رسول کریم سے بات بات پر تو تو میں میں، لڑائی جھگڑا، بحث و مباحثہ اور گفتار و تکرار آپ کا معمول تھا، آپ کی نظر میں نہ تو منصب نبوت کی کوئی اہمیت تھی اور نہ ہی رسولؐ پاک کی عظمتوں کا کوئی پاس و لحاظ تھا جس کی وجہ سے پیغمبرؐ اسلام، ہمیشہ آپ پر ناراض و غضبناک رہا کرتے تھے جیسا کہ خود آپ کا بیان ہے اور آپ فرماتی ہیں :۔

"پیغمبرؐ اکثر مجھ سے ناراض و غضبناک رہتے تھے ۔۔۔۔۔۔۔ ایک بار

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۲۹ [2] بخاری ج ، ص ۸

کسی مسئلہ میں مجھ سے اور حضور سے بحث و تکرار ہو گئی۔ حضور نے فرمایا کہ تم اس پر راضی ہو کہ عمر بن خطاب میرے اور تمھارے درمیان فیصلہ کریں؟ میں نے کہا نہیں وہ بدمزاج اور سنگدل انسان ہیں۔ فرمایا۔ پھر کس کو ثالث بنانا چاہتی ہو؟ میں نے کہا اپنے والد ابوبکر کو۔ چنانچہ انھیں طلب کیا گیا اور جب وہ آئے تو حضورؐ نے سارا ماجرا بیان کیا۔ میں نے کہا خدا سے ڈریئے اور حق کے خلاف کچھ نہ کہئے، میری زبان سے یہ کلمات سن کر میرے والد نے میرے منہ پر ایسا تھپڑ مارا کہ میری ناک سے خون جاری ہو گیا[1]"

مصری مورخ و محقق عباس محمود عقاد اپنی کتاب "عائشہ" میں رقم طراز ہیں کہ:۔

احادیث میں حضرت عائشہ سے ایک روایت مروی ہے جس میں وہ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ کسی بات پر مجھ میں اور رسولؐ میں بحث ہونے لگی۔ حضورؐ نے فرمایا یوں فیصلہ نہیں ہوگا کسی کو ثالث مقرر کر لو۔ کہو، ابوعبیدہ جراح کو ثالث مقرر کرنے پر رضامند ہو؟ میں نے کہا نہیں وہ سادہ مزاج انسان ہیں آپ کی طرفداری کریں گے ۔۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تو پھر اپنے والد کو ثالث مقرر کر لو؟ میں راضی ہو گئی۔ حضورؐ نے ابوبکر کو بلوایا اور مجھ سے فرمایا کہ تم اپنی بات بیان کرو۔ میں نے کہا، پہلے آپ بیان کریں چنانچہ حضور نے وہ بات جس کے متعلق بحث ہو رہی تھی ابوبکر سے بیان کی اور جب بات ختم ہوئی تو میں نے اپنے والد سے کہا کہ اب آپ بتائیے کہ ہم دونوں میں کس کی بات صحیح ہے؟ یہ سنتے ہی میرے باپ نے میرے منہ پر ایک زوردار طمانچہ مارا اور کہا کہ رسولؐ کی مخالفت کرتی ہے۔ طمانچہ ایسا تھا کہ میری ناک سے خون جاری ہو گیا[2]

قرآن کہتا ہے کہ رسولؐ کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کرو لیکن عائشہ کے نزدیک قرآنی احکام کی بھی کوئی وقعت نہیں تھی جیسا کہ عقاد کی تحریر سے پتہ چلتا ہے، چنانچہ وہ

---

[1] کشف الغمہ ج ۲ ص ۶، مصر [2] عائشہ (عقاد) ص ۳۰

لکھتے ہیں :۔

"ایک بار۔ حضرت ابوبکر عائشہ کے حجرے کے قریب سے گزرے انھوں نے اپنی بیٹی کو رسولؐ اللہ سے بآواز بلند باتیں کرتے ہوئے سنا، وہ غصہ کی حالت میں حجرے میں داخل ہوئے اور اس گستاخی کی سزا دینے کے لئے عائشہ کو تھپڑ مارنا چاہا لیکن رسول اللہ نے درمیان میں کھڑے ہو کر انھیں ایسا کرنے سے روک دیا[1]

علامہ شیخ عبدالرحمٰن شافعی بھی اسی قسم کا ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"کسی موقع پر رسولؐ اللہ اور عائشہ میں بحث و تکرار ہو گئی، رسولؐ نے فرمایا کیا تم اپنے باپ کو ثالث مقرر کرنے پر تیار ہو؟ عائشہ نے کہا :۔ ہاں!
چنانچہ ابوبکر ثالثی کے لئے طلب کئے گئے، ان سے حضور نے فرمایا کہ یہ مسئلہ ہے اور ایسی ایسی باتیں ہیں، عائشہ نے کہا خدا سے ڈریئے اور حق بات کہئے۔ اس پر ابوبکر نے انھیں ایسا طمانچہ مارا کہ ناک سے خون جاری ہو گیا، پھر ڈنڈا اٹھایا اور اس طرح زدوکوب کیا آخرکار وہ (عائشہ) بھاگ کر رسولؐ کی پشت سے لپٹ گئیں[2]

مذکورہ واقعات سے مندرجہ ذیل باتوں کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) عائشہ رسولؐ کا ادب و احترام قطعی نہیں کرتی تھیں۔
(۲) عائشہ رسولؐ کی مخالفت کرتی تھیں۔
(۳) عائشہ رسولؐ کی آواز پر آواز بلند کرتی تھیں۔
(۴) عائشہ رسولؐ سے بحث و مباحثہ اور تکرار کیا کرتی تھیں۔
(۵) عائشہ، حضرت رسولؐ خدا پر بہتان و اتہام کی مرتکب بھی قرار پاتی ہیں۔

جیسا کہ آپ کا بیان ہے :۔

"ہم رسولؐ اللہ کے لئے ایک مشکیزہ نبیذ تیار کرتے تھے جسے صبح اٹھ کر آپ پی جاتے تھے[3]" (معاذاللہ)

---

[1] عائشہ (عقاد) ص ۹۸ [2] نزہتہ المجالس ج ۱ ص ۱۰۲ [3] تلخیص الصحاح ج ۳ ص ۱۱۲ مطبوعہ لاہور

شراب کے لئے عربی زبان میں بہت سی لفظیں استعمال ہوئی ہیں ان میں خمر اور نبیذ بھی ہے۔ خمر اس شراب کو کہتے ہیں جو انگور سے بنائی جائے اور نبیذ وہ شراب ہے جو "کھجور" سے حاصل کی جائے جسے ہم اپنی اصطلاح میں "تاڑی" کہتے ہیں۔

عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ میرے باپ عمر نے منبر پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ یہ امر تحقیق شدہ ہے کہ خمر، انگور، جو، گیہوں اور شہد سے تیار ہوتی ہے اور نبیذ کھجور سے۔ اور یہ دونوں چیزیں حرام ہیں[1]

ابن اثیر کی نہایہ میں ہے کہ ہر وہ شئے نبیذ ہے جو کھجور، منقیٰ، شہد، گیہوں یا جو سے بنائی جائے۔

امام غزالی اپنی کتاب "منخول" میں رقم طراز ہیں :۔

"امام ابوحنیفہ نے شریعت کو الٹ پلٹ دیا اور نظام شرع کو درہم و برہم کر دیا۔ ان کے مذہب کا فساد ان کی نماز کی تفصیلوں میں پوشیدہ ہے۔ نماز کی قدر ضروری جو ابوحنیفہ نے تجویز کی ہے اس میں ان کا خبط ظاہر ہے اور یہ ایسی نماز ہے جو کسی جاہل اور سست آدمی کے سامنے بھی پیش کی جائے تو وہ اس کے اتباع سے باز رہے گا اس لئے کہ جو شخص نبیذ میں غوطہ مارے اور کتے کی کھال پہن کر نکلے اور نیت نہ کرے۔"

امام غزالی نے امام ابوحنیفہ کے اس فتوے کا مطلب یہ اخذ کیا ہے کہ ابوحنیفہ کا یہ کہنا ہے کہ نبیذ میں غوطہ لگا کر نماز کا پڑھنا جائز اور درست ہے۔ اگر امام غزالی کے مشرب میں نبیذ حلال ہوتی تو وہ ابوحنیفہ کے اس فتوے پر اعتراض کیوں کرتے؟

کتاب "ردالمختار" جلد ۵ ص ۳۰۱ کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابوحنیفہ ہر قسم کی نبیذ کو دل میں حرام سمجھتے تھے مگر چونکہ صحابۂ کبار اس کو بے دھڑک پیتے تھے اس لئے وہ اس کے حلال ہونے کا فتویٰ دینے پر مجبور تھے جیسا کہ ان کا یہ قول بہت مشہور

---

[1] مشکوٰۃ ج ۵ ص ۲۴ مطبوعہ لاہور

ہے کہ اگر تمام دنیا میرے قبضہ میں دے دی جائے تو بھی میں نبیذ کے حرام ہونے کا فتویٰ نہیں دے سکتا کیونکہ اس سے بعض صحابہ کا فاسق ہونا ثابت ہوگا اس لئے کہ یہ حضرات بے تامل اسے پیا کرتے تھے لیکن اگر مجھے کوئی پوری دنیا دے کر یہ کہے کہ اس کو پیو تو میں پیونگا بھی نہیں۔"

مولوی شبلی نعمانی اپنی کتاب "المامون" جلد دوم کے صفحہ ۲۲۱ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"اس وقت اسلامی سوسائٹیاں عموماً اس رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ مسلمانوں کو اس عہد میں امن، فراغ، اطمینان اور زر و مال سب کچھ میسر تھا۔ پھر کچھ چیز تھی جو ان کو زندگی کے پُر خط مقاصد سے روک سکتی تھی؟ ایک مذہب البتہ دراندازہو سکتا تھا لیکن جدّت پسند طبیعتیں اسے کھینچ تان کر اپنے ڈھب کا بنا لیتی تھیں۔ شراب کی جگہ نبیذ (کھجور کی تاڑی) موجود تھی جس کو عمومی طور پر عراق کے مذہبی پیشواؤں سے حلّت کی سند مل چکی تھی۔"

نبیذ کیا ہے؟ اسے کیوں حلال قرار دیا گیا؟ حضرت عمر کے قول، ابن اثیر کی تشریح، امام غزالی کی تنقید، امام ابو حنیفہ کے فتوے، "ردالمختار" کے اقتباس اور شبلی نعمانی کی عبارت سے ظاہر ہے۔ ان تصریحات کی روشنی میں حضرت عائشہ کی بیان کردہ حدیث کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ معاذ اللہ، پیغمبرؐ بھی اپنے کو اس سے محروم نہیں رکھتے تھے۔!!

پیغمبرؐ پر عائشہ کا یہ اتہام یقیناً ایک غور طلب مسئلہ ہے۔

دوسرا بہتان

مسلم، بخاری اور ترمذی وغیرہ میں یہ روایت بھی حضرت عائشہ کی زبان سے مرقوم ہوئی ہے جس میں آپ نے یہ فرمایا ہے کہ:-

"پیغمبرؐ پر وحی کا سلسلہ اچھے خوابوں سے شروع ہوا۔ آنحضرتؐ، شروع زمانۂ نبوت میں جب کوئی خواب دیکھتے تو وہ صبح کی روشنی کی طرح ہوتا، یعنی سچا خواب ہوتا، جیسا دیکھتے ویسا ہی بیداری میں ظاہر ہوتا۔ پھر آپ کو خلوت نشینی محبوب

رہنے لگی چنانچہ غار حرا میں تنہا جاکر بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دن فرشتہ آپ کے پاس آیا اور کہا پڑھئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا، میں پڑھا نہیں ہوں، پھر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس جواب پر جبریل نے مجھے پکڑ کر اس طرح دبایا کہ میں کانپنے لگا، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا اب پڑھئے۔ میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھا نہیں ہوں، اس پر پھر اس نے مجھے دبوچا کہ میری جان پر بن گئی۔ پھر چھوڑا اور کہا پڑھئے۔ "اقرا ء باسم ربك"۔ الخ

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ:-

"اس کے بعد رسولؐ اللہ گھر واپس آئے، آپ پر لرزہ طاری تھا اور دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ خدیجہ سے فرمایا مجھے اڑھا دو۔ آپ کو اڑھا دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے خدیجہ سے سارا واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ مجھ پر اس وقت خوف وہراس طاری تھا۔ خدیجہ نے کہا:- خدا آپ کو بے سہارا نہ چھوڑتا کیونکہ آپ صلۂ رحم کرتے ہیں، دوسروں کا بوجھ اپنے سر لیتے ہیں، ناداروں، غریبوں اور محتاجوں کی خبر گیری کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں اور حقداروں کو ان کا حق دلواتے ہیں۔"

حضرت عائشہ پھر بیان کرتی ہیں:-

"خدیجہ، آنحضرتؐ کو اپنے ابن عم ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو نصرانی، نابینا اور بوڑھا تھا، خدیجہ نے ورقہ سے کہا:- اپنے بھتیجے محمدؐ کا واقعہ سنو۔ آنحضرتؐ نے سرگزشت بیان کی۔ ورقہ نے کہا یہ ناموس فرشتہ تھا جسے خدا نے موسیٰؑ پر نازل کیا تھا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب تمہاری قوم کے لوگ تمھیں مکہ سے نکال دیں گے۔[1]"

عائشہ کی اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی ہو جانے کے بعد بھی آنحضرتؐ

[1] بخاری جزاول باب الوحی بسلسلہ تفسیر سورۂ اقراء، ومسلم وترمذی وغیرہ۔

کو اپنی نبوت پر یقین نہیں تھا، فرشتہ آنے کے بعد بھی آپ اشتباہی کیفیت میں مبتلا رہے، قرآن نازل ہونے کے بعد بھی آپ یہ نہ سمجھ سکے کہ یہ کلام الٰہی ہے یا کچھ اور ہے، پھر آپ اس قدر خوفزدہ ہوئے کہ خدیجہ کو ڈھارس بندھانا پڑی اور آپ ورقہ بن نوفل کے پاس جانے پر مجبور ہو گئے، جو زمانہ جہالت کا نصرانی اور نابینا شخص تھا، اس نے آپ کو تسلّی دی اور یہ پیشین گوئی بھی کی کہ آپ کی قوم آپ کو مکّہ سے نکال دے گی۔ یہ تمام باتیں ناممکن اور خلاف عقل ہیں۔

جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ جبریل نے پیغمبرؐ اسلام کو پکڑا یا جکڑ کر اس قوت سے دبایا کہ آپ ہانپنے اور کانپنے لگے، آپ کا دل بری طرح دھڑکنے لگا، آپ خوفزدہ ہو گئے تو ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ یہ سب کیوں ہوا؟ جبریل نے کس ضرورت کے تحت ایسا کیا؟ یہ باتیں تو نہ خدا کے لئے مناسب ہو سکتی ہیں، نہ رسولؐ کے لئے اور نہ ملائکہ کے لئے اور نہ انبیاء و مرسلین کے لئے۔! بخاری کے شارحین نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ کسی نبی کے ساتھ اس قسم کا واقعہ پیش نہیں آیا۔ تو پھر اللہ کا جبریل کے ذریعہ اپنے حبیب پر یہ خصوصی اور اذیت ناک برتاؤ کیوں؟ جبریل کہتے ہیں "پڑھئے"، حضورؐ کہتے ہیں کہ میں "پڑھا" نہیں ہوں، کیا آپ کی سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ فرشتے کا مطلب کیا ہے؟ فرشتہ کہتا ہے "اقرأ" اور آپ فرماتے ہیں کہ میں پڑھا نہیں ہوں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ فرشتہ کہہ رہا تھا کہ میں پڑھ رہا ہوں آپ دہراتے جائیں لیکن پیغمبرؐ یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ مجھ سے کوئی خط یا کوئی کتاب پڑھوانا چاہتا ہے۔ عقل کے نزدیک یہ تمام باتیں ناممکن اور محال ہیں اور یہ روایت عائشہ کی طرف سے پیغمبرؐ پر صریحی تہمت اور بہتان ہے۔

یہ روایت مضمون کے لحاظ سے بھی باطل ہے اور اسناد کے لحاظ سے بھی غلط اور مہمل ہے۔ اسناد کے لحاظ سے مہمل اور غلط ہونے کی یہ دلیل کافی ہے کہ عائشہ نے اس واقعہ کو جس سے سنا ہوگا اس کا کوئی ذکر نہیں اور یہ واقعہ عائشہ کی پیدائش سے پہلے کا ہے جبکہ ان کا کوئی وجود بھی نہیں تھا اور نہ وہ نزول وحی کی ابتدا کے وقت موجود تھیں۔

گڑیوں میں گھوڑا

رسولؐ کے گھر میں آنے کے بعد جہاں اور تمام خرافاتی مشاغل حضرت عائشہ کی ذات وصفات سے وابستہ تھے وہاں یہ بھی تھا کہ انھوں نے اپنے بچپن کی عادتوں کو ترک نہیں کیا تھا بلکہ کھیل کود، ناچ رنگ اور سہیلیوں کی بزم آرائیوں کو بدستور باقی رکھا تھا۔ چنانچہ مورخین کا کہنا ہے کہ وہ ایک مرتبہ اپنی کچھ سہیلیوں کے ساتھ گڑیاں کھیل رہی تھیں۔ ان گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی تھا جس کے پر تھے۔ رسولؐ اللہ کی نظر جو پڑی تو آپ نے فرمایا:-

عائشہ!- "یہ بیچ میں کیا چیز ہے"؟

کہا:- گھوڑا ہے!

فرمایا:- گھوڑوں کے پر کہاں ہوتے ہیں؟

عائشہ نے کہا حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں کے پر بھی تھے۔!!

اس بات پر رسولؐ اللہ ہنس پڑے۔[1]"

"عائشہ کا بیان ہے کہ حضرتؐ بھی اس کھیل کو دیکھتے تھے تو خوش ہوتے تھے اور خاموش رہتے تھے۔[2]"

گڑیاں گڈوں (گلا بوستا بو) کا یہ کھیل جسے معاذ اللہ رسولؐ بھی دیکھ کر محظوظ ہوتے تھے، حضرت عائشہ کی کمسنی اور خورد سالی کا نتیجہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ پردار گھوڑے کا واقعہ غزوۂ حسنین یا تبوک کی واپسی کا ہے۔ اگر عام خیال کے مطابق ہم تھوڑی دیر کیلئے یہ فرض کر لیں کہ بوقت رخصتی عائشہ کی عمر نو برس کی تھی تو اس واقعہ کے وقت ان کی عمر تقریباً ۱۷-۱۸ سال کی قرار پاتی ہے، کیا یہ عمر گڑیاں کھیلنے کی ہے؟ اور کیا رسولؐ کے گھر کی تہذیب عائشہ کو اس بات کی اجازت دے سکتی تھی؟

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸۲ [2] مدارج النبوہ ج ۲ ص ۶۰۲۔ صحیح مسلم باب مناقب عائشہ، ابوداؤد کتاب الادب رفع العجاجہ ترجمہ ابن ماجہ ج ۲ ص ۵۳ سطر ۱۹ صدیقی پریس لاہور، المعلم ترجمہ صحیح مسلم ج دوم ص ۱۹-۲۴ سطر، وغیرہ۔

حضرت عائشہ کی مُزخرف حدیثیں

"صحاح" اور "مسانید" حضرت عائشہ کی بیان کردہ جو حدیثیں مرقوم ہیں ان کی مجموعی تعداد دوہزار ایک سو دس [۲۱۱۰] بتائی جاتی ہے بعض محدثین ۲۲۱۰ بتاتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک بہت بڑی تعداد ہے اور وضع احادیث میں ابوہریرہ کے بعد آپ ہی کا نمبر ہے۔ ابوہریرہ کے علاوہ اتنی حدیثیں کسی نے نہیں بیان کیں۔ یہاں تک کہ خلفائے اربعہ اور امہات المومنین کی جملہ حدیثیں ایک جگہ اکٹھا کرلی جائیں اور عائشہ کی حدیثیں ایک طرف تو تعداد کے لحاظ سے عائشہ کی حدیثوں کا پلہ بھاری رہے گا۔

حالات اور کیفیات کے مطابق جو طریقہ حدیثیں بیان کرنے کا آپ نے اختیار کیا تھا اور ہر دور و ہر عہد کی خصوصیات وضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے، جس طرح آپ نے رنگ برنگی حدیثیں بیان کیں ہیں وہ دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔

معظمہ کی بیان ہوئی چند مزخرف اور کراہت آمیز حدیثوں کو ہم بطور نمونہ ذیل میں پیش کریں گے جن کا ذکر ارباب صحاح ومسانید نے بڑے اہتمام سے کیا ہے لیکن ان حدیثوں سے اسلام اور پیغمبرؐ اسلام سے متعلق کوئی اچھا تاثر پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ حدیثیں اسلام کے دشمنوں کو تمسخر اور استہزار کا موقع فراہم کرتی ہیں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ حدیثیں عائشہ نے بیان ہی نہ کی ہوں، اموی دور کے راویوں نے انھیں ان کے نام سے منسوب کر دیا ہو جیسا کہ اس دور میں ایسا ہوا ہے اور ہزاروں کی تعداد میں حدیثیں گڑھی گئیں ہیں۔ بہر حال حقیقت کچھ سہی، احادیث کی کتابوں میں یہ حدیثیں عائشہ سے ہی مروی ہیں لہٰذا جس طرح ابوہرہ عجیب وغریب حدیثیں بیان کرنے کے معاملے میں مطعون ہیں اسی طرح یہ حدیثیں بھی عائشہ کے دامن پر بدنما دھبہ ہیں۔

وہ رسولؐ جس کا نور، خدا کا نور ہے، جو تمام انبیاء ومرسلین کا سردار ہے جس کی بدولت زمین وآسمان کی خلقت ہوئی، جو معصوم ہے جس کی چوکھٹ پر ملائکہ کی جبینیں

جھکتی ہیں اور جس کا کردار عین قرآن ہے۔ وہی رسولؐ (خاکم بدہن) عائشہ کی حدیثوں کی روشنی میں ایک معمولی انسان سے بھی پست نظر آتا ہے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے؟

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت عائشہ نے رسول اکرمؐ سے اتنی حدیثیں کیونکر سن لیں کہ ان کی تعداد دوہزار سے زیادہ ہوگئی۔! کیا پیغمبرؐ شب وروز صرف عائشہ ہی کے پاس بیٹھے رہتے تھے اور حدیثیں بیان کیا کرتے تھے؟ جبکہ آپ کے "دن" مسجد نبوی میں مسلمانوں کی تعلیم وتربیت اور ملکی وقومی امور پر صرف ہوتے تھے اور "راتیں" ازواج میں تقسیم تھیں حضرت عائشہ کے حصے میں زیادہ سے زیادہ مہینہ کی صرف تین راتیں آتی تھیں اور ان راتوں کا بھی دوتہائی حصہ، پیغمبرؐ اسلام خدا کی عبادت میں گزار دیتے تھے، حدیثیں بیان کرنے کا وقت کہاں تھا؟

اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ کیا عائشہ ہی کی باری میں آنحضرتؐ محو تکلم ہوتے اور حدیثوں پر حدیثیں ارشاد فرماتے تھے؟ آخر آپ کی اور بیویاں بھی تو تھیں، ان کی باری میں آپ خاموش کیوں رہتے تھے، کیا وہ آپ سے حدیثیں سننے کی مستحق نہیں تھیں؟ عائشہ ہی میں کون سی خصوصیت تھی کہ آپ صرف انھیں سے حدیثیں بیان فرماتے رہتے تھے؟ پھر ایسی مبتذل حدیثیں جو انسان کو بدحواس کردیں۔!!

ان تمام باتوں کے پیش نظر، مجبوراً ہمیں یہ نتیجہ اخذ کرنا پڑتا ہے کہ یہ حدیثیں فرضی ہیں اور اسلام وپیغمبرؐ اسلام کو بدنام کرنے کے خیال سے دشمنوں نے ان حدیثوں کو وضع کرکے عائشہ کے سر منڈھ دیا ہے۔ اگر حضرات اہلسنت واقعی ان حدیثوں کو عائشہ ہی کا کارنامہ سمجھتے ہیں تو یہ انتہائی قابل افسوس بات ہے کیونکہ ان احادیث سے ام المومنین کے قلبی رجحانات اور نفسانی خواہشات کی تائید بھی ہوتی ہے۔!!

جس کے چند نمونے گزشتہ صفحات میں ہم پیش کرچکے ہیں۔ چند مزید نمونے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) عائشہ کا جنازہ

صحیح بخاری میں ابن شہاب سے روایت ہے کہ مجھ سے عروہ نے اور اُن سے عائشہ نے بیان کیا کہ:۔

"جب رسولؐ خدا نماز پڑھتے تو میں ان کے اور قبلہ کے درمیان فرش پر اس طرح پڑی رہتی جیسے کوئی جنازہ رکھا ہو۔ اور جب پیغمبرؐ سجدے میں جاتے تو وہ مجھے دباتے تھے اس پر میں اپنی دونوں ٹانگیں اٹھا لیتی تھی اور جب آپ سجدے سے سر اٹھاتے تو پھر پھیلا دیا کرتی تھی[۱]"

علامہ ابن حجر عسقلانی رقم طراز ہیں:۔

"حضرت عائشہ اس طرح لیٹی رہتی تھیں جس طرح سامنے جنازہ رکھا جاتا ہے اور مراد یہ ہے کہ حضرت عائشہ اس طرح آنحضرتؐ کے سامنے ہوتیں کہ ان کا سر پیغمبرؐ کے دائیں ہاتھ کی طرف ہوتا اور پاؤں بائیں ہاتھ کی طرف۔ جس طرح نماز جناہ پڑھنے والے شخص کے سامنے جنازہ ہوتا ہے[۲]"

بخاری ہی نے عائشہ کا یہ بیان بھی قلمبند کیا ہے:۔

"میں حضرت رسولؐ خدا کے سامنے سوتی رہتی تھی اور میرے دونوں پاؤں قبلہ کی طرف دراز رہتے تھے چنانچہ جب حضرت سجدہ میں جاتے اور میرے پیروں میں چٹکیاں لیتے تو میں انھیں سمیٹ لیتی تھی اور جب کھڑے ہوتے تو پھر پیر پھیلا دیتی تھی[۳]"

اس آخری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ عائشہ کا بیان غلط ہے۔ پیغمبرؐ کی نماز کے وقت وہ سوئی ہوئی نہیں ہوتی تھیں بلکہ جاگتی رہتی تھیں اور آنکھ کھولے ہوئے حضورؐ

[۱] بخاری پ۲ ص ۲۴۵، عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۲ ص ۵۰۲ [۲] فتح الباری ص ۲۴۵
[۳] بخاری ج ۱ ص ۵۱ باب الصلوٰۃ ومسند حنبل ج ۶ ص ۱۲۵۔

کی نقل وحرکت کو دیکھا کرتی تھیں۔ کیونکہ سونے والا شخص تقریباً مردہ ہوتا ہے اور اسے یہ اندازہ نہیں ہوسکتا کہ کون نماز پڑھ رہا ہے، کون کب سجدے میں گیا اور کون کب کھڑا ہوا۔ یا۔ کون گھر میں داخل ہوا اور کون چلا گیا؟

چہ جائیکہ عائشہ کا یہ بیان کہ آنحضرت حالت نماز میں میرے پیروں میں جب چٹکیاں لیتے تو میں انھیں سمیٹ لیتی اور جب سجدہ کے بعد قیام فرماتے تو پھر پھیلا دیتی، کس قدر مضحکہ خیز، عبرت ناک اور بے ادبی کا مظہر ہے۔

یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا، اس طرح نماز ہی کیوں پڑھتے تھے کہ عائشہ ایک میت کی طرح آپ کے سامنے ہوتیں؟ آخر اس میں کون سی مصلحت اور کون سا راز پنہا تھا جو مسلمانوں یا خود عائشہ کے لئے نمونۂ عمل بن سکتا تھا؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عائشہ کا "حجرہ تنگ" تھا اس لئے مجبوراً رسولؐ کو اس طرح نماز ادا کرنا پڑتی تھی تو اس کا کھلا ہوا جواب یہ ہے کہ عائشہ کا حجرہ مسجد سے ملحق ومتصل تھا، حضورؐ وہاں یعنی مسجد میں بھی نماز ادا کرسکتے تھے کیا ضروری تھا کہ عائشہ کی اس گستاخی اور بے ادبی کے سامنے بیچاری نماز کی حرمت پامال ہوتی؟

دوسری روایت۔ جس میں عائشہ فرماتی ہیں کہ میں پیغمبرؐ کے سامنے اس طرح لیٹی ہوتی کہ میرے پاؤں حضورؐ کے بائیں ہاتھ کی طرف اور سر و دھڑ داہنے ہاتھ کی طرف ہوتا، عجیب تردد پیدا کرتی ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر اقدس حضرت عائشہ کی کمر کے "آس پاس" ہوتا تھا۔ (لاحول ولاقوت ...)

(۲) حضرت عائشہ کا اعتراف

"ہائے، اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا"

"حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ تم نے برا کیا جو ہم لوگوں کو کتے اور گدھے کے برابر کردیا، بے شک میں نے اپنے کو دیکھا کہ رسولؐ خدا، نماز پڑھتے ہوتے

تھے اور میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان لیٹی ہوتی تھی[1]"

یہ حدیث اس لحاظ سے بھی ناقص ہے کہ اس میں یہ صراحت نہیں کہ عائشہ کا تخاطب کن لوگوں سے ہے جنھوں نے ان کے حق میں برا کیا، اور اس گستاخی کے مرتکب ہوئے کہ انھیں کتے اور گدھے کے برابر کر دیا، اس منزلت اور فضیلت میں صحابہ کا ہاتھ تھا یا کسی اور کا؟ بخاری کے مترجم (جنھوں نے یہ روایت نقل کی ہے) مرزا حیرت نے بھی کوئی تصریح نہیں فرمائی جس سے کچھ پتہ چلتا، پھر عائشہ نے "ہم لوگوں" کا جملہ استعمال کیا ہے جس سے یہ اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ اس فضیلت میں موصوفہ کے علاوہ ان کے گروپ کی کوئی عورت اور بھی شامل ہے؟

(۳) عائشہ کی ہڈی

عائشہ کا بیان ہے:-

"دسترخوان پر جب آنحضرتؐ میرے ساتھ کھانا کھاتے تو اسی ہڈی کو آپ بھی چوستے، جسے میں چوستی تھی اور اسی پیالے میں اسی جگہ آپ بھی منہ لگا کر پیتے جس پیالہ میں جہاں پر میں منہ لگاتی تھی، حالانکہ میں حیض کی حالت میں ہوتی تھی[2]"

اس بیان کے ذریعہ حضرت عائشہ کا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ رسولؐ خدا، آپ کو اس قدر چاہتے تھے کہ انھیں آپ کے تھوک یا حیض سے کوئی گریز نہیں تھا۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آنحضرتؐ اسی ہڈی کو کیونکر چوستے تھے جسے آپ چوستی تھیں؟ کیا آدھی ہڈی آپ کے منہ میں اور آدھی پیغمبرؐ کے منہ میں ہوتی تھی؟ کیا اس ہڈی میں دونوں طرف چھید ہوتا تھا کہ آدھا گودا آپ کے حصہ میں اور آدھا پیغمبرؐ کے حصہ میں آتا تھا؟ یا پھر چوسنے کا کوئی اور طریقہ تھا کہ جب آپ اس ہڈی کو چوس لیتی تھیں تو پیغمبرؐ چوستے تھے؟ مگر آپ کے چوسنے کے بعد اس میں گوشت، گودا، یا شوربہ وغیرہ

---

[1] ترجمہ صحیح بخاری، مرزا حیرت دہلوی پ۲ ص ۷، مطبوعہ دہلی۔ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۶۴

تو رہتا نہ ہوگا، پھر پیغمبرؐ کیا چوستے تھے؟

بیان میں یہ صراحت بھی نہیں ہے کہ جس پیالہ میں عائشہ اور پیغمبرؐ ایک ہی جگہ منہ لگا کر پیتے تھے اس میں کیا چیز ہوتی تھی؟ پانی .... یا کچھ اور؟

پھر یہ بیان کرتی ہیں کہ "میں حیض کی حالت میں ہوتی تھی" کون سی خصوصیت پنہاں ہے؟ اس سے تو عائشہ کی بے غیرتی اور بے شرمی کا پتہ چلتا ہے۔!!

(۴) شیطانی کام

ایک مرتبہ عید کے موقع پر ابوبکر اپنی بیٹی عائشہ سے ملنے آئے تو انھوں نے دیکھا کہ ان کے ساتھ کچھ لڑکیاں گانا گا رہی ہیں اور رسولؐ اللہ قریب ہی کپڑا اوڑھے ہوئے لیٹے ہیں۔ ابوبکر کو یہ دیکھ کر سخت غصہ آیا اور وہ بیٹی پر چیخ پڑے؛ رسولؐ اللہ کے گھر میں یہ شیطانی کام! رسولؐ نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا:-

ابوبکر! انھیں کچھ نہ کہو، عید کا دن ہے لڑکیاں اپنا دل بہلا رہی ہیں[1]

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ابوبکر اس فعل کو شیطانی کام سے تعبیر کرتے ہیں اور رسولؐ اللہ کہتے ہیں "کچھ نہ کہو" اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ عائشہ کے اس شغل غنا کو پیغمبر رحمانی فعل پر محمول کرتے ہیں (عیاذاً باللہ) خدا سمجھے ان راویوں سے جو اللہ کے حبیب پر اس بہتان کے مرتکب ہیں۔

(۵) حبشیوں کا ناچ

عائشہ فرماتی ہیں کہ عید کا دن تھا، مسجد میں حبشیوں کی ایک ٹولی اپنا ناچ اور کرتب دکھا رہی تھی رسولؐ اللہ نے مجھ سے فرمایا، کیا تم بھی ناچ دیکھوگی؟ میں نے رضامندی ظاہر کی تو آنحضرتؐ مجھے لے گئے اور اس طرح اپنی پشت پر مجھے کھڑا

---

[1] بخاری ج ا ص ۱۰۸ کتاب العیدین۔

کیا کہ میرے رخسار آپ کے رخساروں پر تھے۔ ناچنے والوں کو حضرتؐ للکار للکار کر جھوم جھوم کے ناچنے کی ترغیب دے رہے تھے اور میں لطف اندوز ہو رہی تھی یہاں تک کہ میں تھک گئی تو آپ نے فرمایا، اچھا اب گھر چلو[1]

یہ واقعہ مسلمانوں کی غیرت اسلامی کے لئے عبرت کا ایک تازیانہ ہے۔ صرف یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ رسول کریمؐ، عائشہ کو کتنا چاہتے تھے، امت مسلمہ نے دشمنان اسلام کی گڑھی ہوئی روایت کو بخوشی قبول کر لیا اور یہ نہ سوچا کہ مرسل اعظمؐ کو ان خرافات، لغویات اور مزخرفات سے کیا سروکار؟ عظمت، وقار اور منصب کے لحاظ سے کیا اس امر کی توقع کی جا سکتی ہے کہ رسولؐ اللہ حبشیوں کا ناچ اور تماشہ دیکھتے؟ وہ بھی مسجد میں .... ! کیا ایک شوقین مزاج عورت کے لئے حضور مسجد کے احترام کو اپنے ہاتھوں دفن کر سکتے تھے؟ غیر ممکن ہے؟

(۶) کہانیوں کا شوق

عقیدت مندان عائشہ بڑے فخر سے بیان کرتے ہیں کہ ام المومنین کو کہانیاں سننے اور سنانے کا بیحد شوق تھا چنانچہ کبھی آپ آنحضرتؐ کو قصے، کہانیاں سنایا کرتی تھیں اور کبھی آنحضرتؐ آپ کو کہانی سنایا کرتے تھے[2]

یہ امر غور طلب ہے کہ قصص و حکایات کی خرافات اور داستان و افسانہ گوئی کی لغویات سے رسولؐ کی پرہیزگاری کا اعلان پروردگار رسالت سے پہلے کرتا ہے مگر مبعوث بہ رسالت ہونے کے بعد جب آپ تبلیغ کے میدان میں اترے تو کیا خدا کی طرف سے یہ حکم ہو گیا کہ آپ رات رات بھر بیوی کا دل بہلائیں، قصہ سنائیں، کہانیاں اور داستانیں بیان کریں اور ان سے خود بھی سنیں، گانے سنئے اور حبشیوں کا ناچ دکھائیے اور دیکھئے؟

---

[1] بخاری پ۴ ص ۳۰، ۵۱۸، نصر الباری ترجمہ صحیح بخاری ج ا ص ۱۷۸، مسند احمد بن حنبل ص ۴۴۹ و مسلم و ترمذی وغیرہ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۱۵۷، بخاری باب حسن المعاشرت ص ۸۰۷

(۷) لمبی دوڑ

حضرت عائشہ کا بیان ہے:-

"ایک سفر میں رسولؐ اللہ کے ساتھ میں بھی تھی۔ اچانک آپ نے اصحاب کو حکم دیا کہ تم سب لوگ آگے بڑھ جاؤ۔ جب وہ لوگ کچھ دور چلے گئے، تو آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عائشہ! آؤ ہم دونوں دوڑ لگائیں، دیکھیں کون تیز دوڑتا ہے؟ جب ہم دونوں ایک ساتھ دوڑے تو میں آگے نکل گئی اور آنحضرتؐ کو شرمندگی ہوئی اور وہ اس بات کو دل میں لئے رہے پھر ایسا ہی ایک دوسرا موقع آیا اور ہم دونوں کی دوڑی ہوئی، اب چونکہ میں موٹی ہو چکی تھی اس لئے ہار گئی، رسولؐ نے فرمایا۔ یہ اس دن کا بدلہ ہے[1]"

اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو پہلی بار عائشہ کی سرعت رفتار اور دوسری بار موٹاپے کی دوڑ کو دیکھ کر ملائکہ بھی کھلکھلا کر ہنس پڑے ہوں گے، اس کے علاوہ اس لمبی دوڑ کا مقصد کیا تھا؟ خدا جانے؟

(۸) چھُلی چھُلیا

عائشہ کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ میرے ساتھ "چھُلی چھُلیا" کھیلا کرتے تھے۔ چنانچہ جب میں بھاگتی تو وہ میرے پیچھے دوڑتے اور جب میں چھپ جاتی تو وہ مجھے ڈھونڈ نکالتے[2]!!

کاش۔ میں ام المومنین کے دور میں پیدا ہوا ہوتا تو انتہائی ادب و احترام سے ان سے یہ پوچھتا کہ اے مادرِ گرامی! رسولؐ اللہ کی نماز کے وقت، ان کے سامنے میت کی طرح آپ کا پڑی رہنا، یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کا حجرہ اس قدر تنگ تھا کہ اس میں چھلی چھلیا کھیلنے کی گنجائش نہیں تھی، آخر یہ چھُلی چھُلیا کھیلی کہاں جاتی تھی؟ کسی اور گھر میں؟ یا

---

[1] مشکوٰۃ ص ۲۸۱، رفع العجاجہ ترجمہ سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۵۲ سطر ۷، لاہور [2] العلم ترجمہ مسلم ج ۲ ص ۵۳۶، مظاہر حق ج ۳ ص ۱۶۲، مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۰۲

(۹) اعوذ باللہ من ہذہ الخرافات

(۱) عائشہ فرماتی ہیں کہ۔ میں آنحضرتؐ کے کپڑوں سے "منی"، کھرچ کر صاف کردیتی تھی اور آپ اسی کو پہن کر نماز پڑھتے تھے[1]

(۲) عائشہ فرماتی ہیں کہ۔ آنحضرت حیض کی حالت میں میرے ساتھ مباشرت کرتے تھے[2]

(۳) عائشہ فرماتی ہیں کہ۔ حالت حیض میں آنحضرتؐ اپنی ازواج کے ساتھ کپڑوں کے اوپر سے مباشرت کرتے تھے[3]

(۴) عائشہ فرماتی ہیں کہ۔ میں حیض سے ہوتی تھی اور آنحضرتؐ میری گود میں سر رکھ کر قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے[4]

(۵) عائشہ فرماتی ہیں کہ۔ لڑکیوں کو آنحضرتؐ اپنے کاندھوں پر بٹھا کر نماز پڑھاتے تھے[5]

(۶) عائشہ فرماتی ہیں کہ۔ حالتِ صوم میں آنحضرتؐ میرا منہ چومتے تھے اور کبھی کبھی میری زبان اپنے دہن میں لے کر چوسا کرتے تھے[6]

اب مسلمان خود فیصلہ کریں کہ، ایک ایسی عورت، جس کے نفسانی، شہوانی، اخلاقی، معاشرتی، دینی اور ایمانی حالات و خیالات ایسے ناگفتہ بہ ہوں اور جسے رسولؐ جیسی عظیم المرتبت ہستی پر اس قسم کے بیہودہ، لغو، ناجائز اور تہذیب سے گرے ہوئے

[1] المعلم ترجمہ صحیح مسلم جلد اول ص ۴۶۸ سطر ۱۷ مطبوعہ لاہور [2] بخاری جلد ا ص ۴۰ - ۴۶ کتاب الحیض، المعلم ترجمہ مسلم جلد ا ص ۴۴۷ و ۴۸۹ سطر ۲، مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۶۰۱، صحیح مسلم جلد اول ص ۱۴۱ [3] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۳۷ [4] بخاری ج ا ص ۱۴۱، مشکواۃ ص ۵۶ [5] نصر الباری ترجمہ صحیح بخاری جلد ا ص ۲۰۰ پ۲ احکام المساجد، مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۰۱ [6] بخاری ج ا ص ۲۱۱۔

الزامات عائد کرتے ہوئے، شرم، حیا اور غیرت نہ آتی ہو اور نہ جسے اپنے شوہر کی عظمت، بزرگی اور وقار کا پاس و لحاظ ہو۔ اسلام اور اہل اسلام کی نظر میں کس حیثیت کی حامل ہوسکتی ہے اور کس نظر سے دیکھی جاسکتی ہے؟

(۱۰) حضرت عائشہ کا انوکھا غسل

"ابوبکر بن حفص کا بیان ہے کہ میں نے ابوسلمہ سے سنا وہ کہتا ہے کہ میں عائشہ کے بھائی کے ہمراہ، عائشہ کے پاس اس غرض سے گیا کہ ان سے یہ معلوم کروں کہ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کس طرح اور کتنے پانی سے غسل فرماتے تھے؟

حضرت عائشہ نے ایک برتن میں سوا سیر پانی منگوایا اور ایک پردہ درمیان میں ڈال کر غسل کیا اس طرح کہ پانی اپنے سر پر ڈالا[1]

پوچھنے والے اس لئے گئے تھے کہ ام المومنین سے غسل کا طریقہ معلوم کریں، اور معظمہ نے غسل کرکے عملی طور پر بتا بھی دیا، لیکن درمیان میں پردہ حائل تھا۔ پوچھنے والوں کو بغیر دیکھے غسل کا طریقہ کیونکر معلوم ہوا؟ عقل میں صرف ایک بات آتی ہے، اور وہ یہ کہ پردہ اتنا باریک تھا کہ اُدھر کی چیز اِدھر دکھائی دے رہی تھی!!

عائشہ کے بارے میں رسولؐ کی پیشینگوئیاں

ایک دن، عائشہ کے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مخبر صادقؐ نے مسجد میں بالائے منبر ارشاد فرمایا:۔

"اس گھر میں فتنہ ہے اور یہیں سے شیطان اپنی سینگ نکالے گا"[2]

ایک بار حضرت علیؑ کی موجودگی میں، رسول اکرمؐ نے عائشہ سے فرمایا:۔

[1] بخاری ج ا ص ۳۹ کتاب الغسل طبع مجتبائی ۱۳۳۲ھ [2] بخاری ج ۲ ص ۱۳۲ (مصر)

"میری بیویوں میں ایک بیوی میرے ابن عم پر خروج کرے گی"

آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے یہ فقرہ سن کر عائشہ بے اختیار ہنس پڑیں، تو آپ نے مزید فرمایا:۔

"اے عائشہ کہیں وہ تم تو نہیں"

پھر علیؑ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:۔

"اگر اس کا معاملہ تمہارے سپرد ہو جائے تو اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا"[1]

ایک بار آپ نے عائشہ سے فرمایا:۔

"میری ایک بیوی سرخ اونٹ پر سوار ہوکر علیؑ پر خروج کرے گی اور اس پر حوآب کے کتے بھونکیں گے"[2]

رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ان پیشینگوئیوں کے ذریعہ عائشہ کو آگاہ بھی کر رہے تھے اور حجت بھی تمام کر رہے تھے ورنہ آپ جملہ حالات سے بخوبی واقف اور باخبر تھے۔

ایک انار، دو بیمار

قتل عثمان کے خصوصی مجرم طلحہ ابن عبید اللہ کے لئے حضرت عائشہ کے دل میں کس قسم کے خیالات و جذبات تھے؟ خدا جانے! تاریخیں تو ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ مسٹر طلحہ اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد میں عائشہ سے عقد کروں گا[3]

ظاہر ہے طلحہ کی یہ خواہش بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ وہ عائشہ پر ہزار جان سے فریفتہ تھے، اور شاید یہی وجہ تھی کہ ان کی اس ضلالت اور کمینگی پر خدا نے انھیں

[1] ابوالفداج ۲ ص ۱۷۱ (مصر) صواعق محرقہ ص ۱۷۱ (مصر) مواہب لدنیہ ج ۲ ص ۱۹۵

[2] ابوالفداج ۲ ص ۱۷۱، مواہب ج ۲ ص ۹۵ - [3] درمنثور ج ۵ ص ۲۱۴ مصر

متنبہ کیا اور فرمایا کہ

"تمہارے لئے ہرگز یہ جائز نہیں کہ تم رسولؐ کو اذیت دو اور ان کے بعد ان کی بیویوں سے عقد کا ارادہ کرو"[1]

یہ امر غور طلب ہے طلحہ کی اس گستاخی اور دریدہ دہنی پر برہم و ناراض ہونے کے بجائے حضرت عائشہ نے صرف خاموشی اختیار کی بلکہ ایسے کمینہ خصلت انسان کے ہر فعل میں سہیم و شریک رہیں، یہاں تک کہ اس کی رفاقت میں آپ نے اپنی غیرت، حیا اور شرم کو بالائے طاق رکھ کر خدا اور رسولؐ کی مرضی کے خلاف قدم اٹھایا اور گھر کا گوشہ چھوڑ کر وہ طویل سفر اختیار کیا جس کی منزل جمل میں حضرت علیؑ کے خلاف محاذ آرائی پر تمام ہوئی۔

اس کے برعکس حضرت عائشہ، امیر المومنین حضرت علیؑ سے محض اس بات پر تمام عمر برہم و برگشتہ رہیں کہ "افک" کے معاملہ میں انھوں نے رسول اللہ (صلعم) کو یہ مشورہ دیا تھا کہ یہ (عائشہ) آپ کی جوتی کا تسمہ ہے، طلاق دے کر اس سے پیچھا چھڑائیے آپ کے لئے عورتوں کی کمی نہیں ہے۔

یقیناً یہ واقعہ ایسا ہے جو ام المومنین کے باطنی کردار کا آئینہ دار ہے۔

دوسرا افسوس ناک واقعہ معاویہ کے فاسق و فاجر بیٹے یزید سے متعلق ہے، جس نے ۲۹ سال کی عمر میں حضرت عائشہ سے عقد کی خواہش کا اظہار کرکے معظمہ کے ۶۵ سالہ بڑھاپے کو چکر میں ڈال دیا تھا، شاہ عبدالحق محدث فرماتے ہیں کہ:۔

"کتابوں میں ملتا ہے کہ یزید شقی نے حضرت عائشہ سے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا، لوگوں نے اسے بہت سمجھایا اور اس ارادۂ بد سے باز رکھنے کے لئے قرآن کی آیت پڑھی کہ نبی کی بیوی سے نکاح ناجائز ہے تب کہیں جاکر وہ منحوس باز آیا"[2]

کون کہہ سکتا ہے کہ یزید ملعون کے اس خبیث ارادہ میں اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی توہین

[1] قرآن مجید پ۲۲ آیت ۵۴ [2] مدارج النبوۃ ج ا ص ۲۶۶

وتذلیل کا جذبہ کار فرما نہیں تھا، بڑی خیریت ہوئی کہ قرآن کی آیت عائشہ کے حق میں سپر بن گئی ورنہ اس کمبخت کی جوانی، معظمہ کے بڑھاپے کی مٹی خراب کر دیتی۔ اب ایسی صورت میں اگر کوئی شخص طلحہ اور یزید پر لعنت کرے تو اس کے اس فعل کو حق بجانب کیوں نہ کہا جائے؟

پیغمبرؐ اسلام کی شہادت

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امام حسن عسکری تک معصوموں کی فہرست میں کوئی معصوم ایسا نہیں جو درجۂ شہادت پر فائز نہ ہوا ہو۔ کسی کو زہر دیا گیا اور کسی کی شہادت تلوار سے واقع ہوئی۔ ان تمام شہیدوں کی صف میں ایک معصومہ بھی شامل ہیں جو عمر بن خطاب کی شمشیر ظلم سے منصب شہادت پر فائز ہوئیں۔

ان تمام معصوموں کی شہادت کا حال کتابوں میں مرقوم ہے لیکن رسول اکرمؐ کی شہادت پر علمائے اہل سنت کی طرف سے "اخفائے جرم" اور شیعہ علماء کی طرف سے چشم پوشی، خاموشی اور رواداری کے مجازی پردے پڑے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے مسلمانوں کی اکثریت اپنی ناواقفیت کی بنا پر حضور کی شہادت کو وفات سے تعبیر کرتی ہے، ان پردوں کو چاک ہونا چاہئے اور حقیقت کو سامنے آنا چاہئے جیسا کہ امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "حق بات کہو خواہ وہ اپنے ہی خلاف کیوں نہ ہو"؟

"صحیح بخاری" "سر العالمین" "الوافی" اور مشکوٰۃ شریف" کی روائتوں سے اس بات کی نشان دہی ہوتی ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی علالت کے دوران مدینہ میں زہر دے کر شہید کیا گیا[1]

اس انکشاف کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ خیبر میں زہر خورانی کی تشہیر محض دھوکا تھی اور اسی جرم کو چھپانے کی غرض سے عمل میں لائی گئی تھی۔

بخاری ج ۳ ص ۱۲۷ باب اللدود کتاب الطب طبع مصر ۱۳۱۴ ہجری، سر العالمین امام غزالی طبع ممبئی ص ۷، الوافی ج ۱ ص ۱۶۶ بحوالۂ تہذیب الاحکام، مشکوٰۃ باب ۳ ص ۸۵۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضورؐ کو زہر دینے والا کون تھا؟ اس کے جواب میں کتابیں خاموش ہیں لہٰذا ایسی صورت میں ضروری ہے کہ حقیقت کی تہ تک پہنچنے کے لئے رسولؐ کے آخری دور میں رونما ہونے والے ان حالات پر نظر ڈالی جائے جن کے پس منظر میں زہر دئے جانے کے امکانات مستور و مضمر ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ رسولؐ کی زندگی کے آخری دور یعنی ۸ھ ہجری کے اوائل میں ہی کچھ مفاد پرستوں اور شر پسندوں نے آپؐ کے خلاف سازشوں کا آغاز کر دیا تھا جس کی سب سے بڑی دلیل سورۂ منافقون کا نزول ہے۔ یہ تمام سازشیں رسولؐ اللہ کے ارد گرد رہنے والے افراد اور منافق صحابہ کی آغوش منافقت میں پل اور بڑھ رہی تھیں۔ خاص سبب؟ پیغمبرؐ کی جانشینی، اسلامی قیادت اور اقتدار کا مسئلہ تھا۔

ان سازشوں میں شدت و سرعت اس وقت پیدا ہوئی جب ۹ھ ہجری میں پیغمبر اسلامؐ تیس ہزار کا لشکر لے کر شہنشاہ روم (ہرقل) کے مقابلے کو نکلے اور تبوک نامی بستی میں بیس روز تک قیام فرما رہے مگر چونکہ جنگ کی نوبت نہیں آئی اس لئے اکیسویں دن حضورؐ اکرم کو واپس آنا پڑا۔

واضح رہے کہ اس معرکہ میں رسول اکرمؐ تمام جنگوں کے فاتح حضرت علیؑ کو اپنے ہمراہ نہیں لے گئے تھے جس پر امیر المومنین کبیدہ خاطر ہوئے اور آپؑ نے پیغمبرؐ سے شکوہ بھی کیا۔ حضور نے فرمایا کہ اے علیؑ تم میرے جانشین اور خلیفہ ہو اس لئے تمھارا یہاں رہنا اور میرا وہاں جانا زیادہ مناسب تھا[1]

تذکرۂ خواص الامہ میں ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی ؟[2]

کنز العمال میں ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ میں تمھیں اس لئے اپنے ساتھ نہیں لے گیا کہ تم ہی میرے بعد امت کے خلیفہ اور میرے جانشین ہو، مدینہ کی حالت

۱؎ ازالۃ الخفاج ۲ ص ۲۶۱ ۲؎ تذکرۂ خواص الامہ ص ۱۲

صرف میرے یا تمھارے رہنے سے ہی درست رہ سکتی ہے[1]

یقیناً دہن نبوت سے نکلے ان جملوں سے سازشی یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ پیغمبر اسلامؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر کرنا طے کر لیا ہے اور شاید یہی وجہ تھی کہ انھیں سازشوں نے رسول اکرمؐ کی شمع حیات گل کر دینے کی ناپاک و ناکام کوشش بھی جو تاریخ میں "واقعہ عقبہ" کے نام سے مشہور ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اقدام اسلام میں پہلا شیطانی اقدام تھا۔ اجمال یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کا ناقہ تبوک کی واپسی پر عقبہ نامی پہاڑ کی خطرناک ڈھلانوں سے گزر رہا تھا، رات تاریک تھی اور اسی تاریکی میں منافقین اپنے چہروں کو نقابوں سے چھپائے ختمی مرتبتؐ کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے گھات لگائے کھڑے تھے کہ اتنے میں باعجاز الٰہی بجلی چمکی اور اس کی روشنی اتنی دیر تک قائم رہی کہ پیغمبرؐ نے ان سب کو پہچان لیا اور ناقہ کی مہار تھامے ہوئے حذیفہ یمانی کو ان کے ناموں سے آگاہ کر دیا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ تاکید بھی فرما دی کہ کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا ورنہ فساد برپا ہو جائے گا[2]

تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت عمر، حذیفہ سے اکثر پوچھا کرتے تھے کہ کیا سازشی منافقین میں میرا بھی نام شامل ہے؟[3]

حذیفہ، عمر کے اس سوال پر ہمیشہ خاموش رہے آخرکار وہ وقت بھی آگیا کہ دماغی کچوکوں اور قلبی ٹھوکوں سے مجبور ہو کر حضرت عمر نے خود بخود یہ اعتراف کر لیا کہ اے حذیفہ خدا کی قسم میں بھی ان منافقین میں شامل ہوں جو رسول اللہ کو موت کے گھاٹ اتارنا چاہتے تھے[4]

اس افسوس ناک واقعہ کے بعد ۹ھ ہجری میں ایک واقعہ اور رونما ہوا جس نے منافقین کی سازشی مصروفیات میں مزید تیزی پیدا کر دی اور وہ یہ ہے کہ ماہ ذی الحجہ

۱؎ کنز العال ج ۶ ص ۴۰۴ ۲؎ تاریخ خمیس ج ۲ ص ۱۴۴ ۳؎ مدارج النبوۃ ج ۴ ص ۳۰۲
۴؎ میزان الاعتدال مترجمہ زید بن وہب ج ۱ ص ۳۳۶ مطبوعہ لکھنؤ

پیغمبر اسلامؐ نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ ابوبکر کی سربراہی میں مدینہ سے مکہ کی طرف بغرض حج روانہ کیا اور اس کے ساتھ ہی سورۂ برأت بھی ابوبکر کے حوالے کر کے یہ حکم صادر فرمایا کہ وہ اس کی تبلیغ حج کے موقع پر کر دیں۔ حضرت ابوبکر نے اپنے مقدر پر ناز کیا اور قافلہ لے کر روانہ ہو گئے۔ ابھی کچھ ہی دور قافلہ پہنچا تھا کہ جبرئیل نازل ہوئے اور انھوں نے فرمایا کہ یا رسولؐ اللہ! پروردگار عالم کا یہ حکم ہے کہ سورۂ برأت کی تبلیغ آپ خود فرمائیں یا اس کے حوالے کریں جو آپ کی ذریت میں شامل ہو، کوئی دوسرا شخص اس کام کو انجام دینے کا مجاز نہیں ہے۔

اس حکم کے موصول ہوتے ہی رسولؐ نے اپنے ابن عم حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کو طلب کیا اور انھیں اس تبلیغی منصب پر فائز کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ تیزی سے جاؤ اور ابوبکر سے سورۂ برأت واپس لے کر انھیں مدینہ بھیج دو۔ چنانچہ ابوبکر جب حج سے محرومی اور تبلیغ سے معزولی کا غم لے کر مدینہ واپس آئے تو رسولؐ کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے[1]

ایک روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکر کے ساتھ عمر بھی تبلیغ پر مامور ہوئے تھے، وہ بھی معزول کئے گئے۔

ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ ابوبکر کی بیٹی تھیں لہٰذا باپ کی اس توہین و تذلیل پر انھیں فطری طور پر صدمہ ضرور ہوا ہوگا۔

۱۰ھ ہجری میں پیغمبرؐ نے آخری فریضۂ حج ادا کیا۔ علامہ طریحی کا کہنا ہے کہ اس حج کے موقع پر ابوبکر، عمر، ابو عبیدہ، عبد الرحمٰن اور سالم (غلام حذیفہ) نے خانۂ کعبہ میں یہ عہد کیا کہ وہ خلافت کو بنی ہاشم میں نہیں جانے دیں گے۔ علامہ کی تحریر سے یہ انکشاف بھی ہوتا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ اس سازشی گروہ کی سرگرم ممبر تھیں۔

۱؎ بخاری پ ۶ ص ۲۳۸، فتح الباری پ ۱۹ ص ۱۹۴، تاریخ خمیس ج ۲ ص ۱۵۶، درمنثور ج ۲ ص ۱۵۶، درمنثور ج ۳ ص ۱۱۰، کنز العال ج ۱ ص ۱۴۶۔

انگریز مورخ ڈیون پورٹ اپنی کتاب "تاریخ خلافت" میں لکھتا ہے کہ رسولؐ
کی زندگی ہی میں یہ مسئلہ طے ہو چکا تھا کہ حضرت علیؑ جو ہر طرح خلافت کے حقدار ہیں اپنے
حق کو پہنچنے نہ پائیں۔

لطف کی بات تو یہ ہے کہ ایک طرف سازشی حضرت علیؑ کو خلافت سے محروم
رکھنے کے لئے کوشاں تھے اور دوسری طرف پروردگار عالم اپنے حبیبؐ کو یہ حکم دے رہا
تھا کہ جب تم حج سے فارغ ہو چکو تو اپنا جانشین مقرر کر دو[1]۔

غرض کہ رسولؐ جب حج سے فارغ ہوئے اور ان کے ساتھ ایک عظیم قافلہ واپس
پلٹا تو راستہ میں غدیر خم کے مقام پر جلال کبریا کا آئینہ بن کر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے
رسولؐ! جو تم پر نازل کیا گیا ہے اسے فوری طور پر پہنچا دو، اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو
گویا کار رسالت انجام ہی نہیں دیا، خدا تمھیں منافقین کے شر سے محفوظ رکھے گا[2]۔

اب رسولؐ کے لئے تاخیر ناممکن تھی چنانچہ آپ نے ذوالعشیرہ میں کئے گئے
وعدہ کے مطابق من کنت مولاہ فھٰذا علی "مولاہ" کہہ کر علیؑ کو اپنا جیسا حاکم
بنا دیا[3] اور اسی سنہ ہجری میں ابناء نا، نساء نا، وانفسناء کی عملی تفسیر کے
ذریعہ اہلبیتؑ میں شامل جملہ افراد کا مکمل تعارف بھی کرا دیا۔

شازشیوں -اور- سازشوں سے پیغمبر اسلام بےخبر ہرگز نہیں تھے اگر بےخبر
ہوتے تو اپنی زندگی کے آخری ایّام میں ایسے احکام صادر نہ فرماتے جن سے اکابرین صحابہ
نے نہ صرف اختلاف کیا بلکہ ایسی نافرمانیوں اور گستاخیوں کے مرتکب ہوئے کہ سرکار دو عالم
کو لعنت جیسا ابدی حربہ استعمال کرنا پڑا۔

اپنی علالت اور شہادت کے درمیان رسول اکرمؐ نے امت کو انتشار، افتراق
اور دائمی فرقہ بندی سے بچانے کے لئے بڑے ہی حکیمانہ انداز میں ایک لشکر کی تشکیل کی
جس کی سربراہی اور قیادت پر اسامہ بن زید کو مامور فرمایا۔

---

[1] انشراح آیت ۷۔ [2] مائدہ آیت ۶۷ [3] تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۳۹۸

ختمی مرتبتؐ نے اس لشکر میں حضرت علیؑ اور چند مخصوص صحابہ کو چھوڑ کر تمام انصار
مہاجرین اور اعیان مدینہ کے ہمراہ ابوبکر، عمر، عثمان، سعد ابن ابی وقاص، ابوعبیدہ
بن جراح، عبدالرحمن بن عوف اور طلحہ و زبیر وغیرہ کو بھی شامل کیا اور انھیں یہ
تعجیلی حکم دیا کہ سب لوگ بغیر کسی تاخیر کے مدینہ چھوڑ کے اسامہ کے ساتھ محاذ جنگ
پر روانہ ہو جائیں۔

اسامہ بن زید حکم پیغمبرؐ کے مطابق لشکر لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے مگر ابھی صرف
تین میل کا فاصلہ طے ہوا تھا کہ انھیں جرف نامی ایک مقام پر ٹھہر جانا پڑا، اس کا سبب یہ
تھا کہ ابوبکر وغیرہ اس لشکر میں شامل نہیں ہوئے تھے[1]۔

اسامہ تین دن تک ان لوگوں کا انتظار کرتے رہے مگر انھیں نہ جانا تھا نہ گئے۔ البتہ
اسامہ کو ام ایمن کے توسل سے حضرت عائشہ کا یہ پیغام ضرور موصول ہوا کہ پیغمبرؐ کی حالت
نازک ہے لہٰذا لشکر کو پیش قدمی کرنے کے بجائے مدینہ کی طرف واپس پلٹ آنا چاہئے۔

ابوبکر وغیرہ کی طرف سے جیش اسامہ کا تخلف اور حضرت عائشہ کی طرف سے حکم
پیغمبرؐ کے خلاف لشکر کو پلٹانے کا ناروا اقدام ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ باپ اور بیٹی
کے درمیان خلافت کے بارے میں کوئی تال میل ضرور تھا اور شاید عائشہ کی دوررس
نگاہوں نے یہ بھی محسوس کر لیا تھا کہ خلافت کے بارے میں پیغمبرؐ کو جن لوگوں سے خطرہ تھا انھیں
آپ مدینہ سے باہر بھیج دینا چاہتے تھے تاکہ حضرت علیؑ سے کوئی جھگڑا نہ کر سکے۔ یہ بھی ممکن ہے
کہ عائشہ نے لشکر کو واپس پلٹا کر رسولؐ کے بعد خلافت کے مسئلہ پر صاحب ذوالفقار کے مقابلہ
میں اپنے باپ کو تحفظ دینے کا خیال کیا ہو۔

بہرحال تاریخی تجزیہ کے بعد ہر انصاف پسند شخص یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ حضرت عائشہ
کی اس حکمت عملی نے رسول اکرمؐ کے تمام منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔

اس واقعہ کے بعد تمام سازشی کھل کر رسولؐ کے سامنے آ گئے۔ اس کی محکم دلیل

---

[1] کامل ج ۲ ص ۱۲۰، طبری ج ۳ ص ۱۸۸

یہ ہے کہ وقت آخر جب سرکار دو عالم نے ملت مسلمہ کو گمراہی سے بچانے اور خلافت کے
اشکال کو دور کرنے کے لئے قلم، دوات اور کاغذ طلب کیا تو انھیں سازشیوں نے مخالفت
کی اور ہنگامہ برپا کر دیا۔ عمر بن خطاب اس قدر مشتعل ہوئے کہ انھوں نے یہاں تک کہہ دیا
کہ اس مرد کو اس کے حال پر چھوڑ دو کیونکہ یہ ہذیان بک رہا ہے ہمارے لئے خدا کی کتاب
کافی[1] ہے، مزید کسی نوشتہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بات علیٰحدہ ہے کہ عمر کی اس گستاخی
پر آنحضرتؐ نے انھیں اور ان کے ساتھیوں کو اپنے گھر سے نکال باہر کیا[2]۔

یہ وہ حادثات ہیں جو پیغمبرؐ کے آخری دور حیات میں یکے بعد دیگرے رونما ہوتے رہے
ان کا تسلسل یہ بتاتا ہے کہ ان تمام واقعات کے پس پردہ صرف ہوس اقتدار کا جذبہ کارفرما تھا
اور تمام سازشی یہ امید لئے بیٹھے تھے کہ کسی طرح رسولؐ کی آنکھیں بند ہوں اور اپنے دیرینہ
منصوبوں کو عملی جامہ پہنا سکیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر محمد ابوبکر خاں ملیح آبادی اپنے ایک مضمون
میں تحریر فرماتے ہیں۔

"سادہ لوح مسلمان اور چالاک منافقین مرے نہیں تھے بلکہ منافقت کی
نقاب چہروں پر ڈالے مسلمانوں میں گھل مل گئے تھے اور اس دن کا انتظار کر رہے
تھے کہ پیغمبرؐ کی آنکھیں بند ہوں اور وہ سلطنت اسلامی پر قبضہ کر کے خوب گلچھرے
اڑائیں[3]"

عظمت و اقتدار کی بھوکی شخصیتیں کتنی پریشان تھیں اور سازشی گروہ کے ارکان
پر خلافت کا بھوت کس حد تک سوار تھا؟ اس کا اندازہ حضرت عائشہ کے اس بیان سے ہوتا
ہے، جس میں آپ فرماتی ہیں کہ:۔

"وقت آخر پیغمبرؐ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے حبیب کو بلاؤ تو میں نے اپنے والد
ابوبکر کو بلایا، آنحضرتؐ نے انھیں دیکھا تو منہ پھیر لیا۔ کچھ توقف کے پھر فرمایا کہ میرے

---

[1] بخاری ا ص ۱۳۴، مسلم ج ۵ ص ۷۶، سر العالمین ص ۹۰ [2] بخاری ج ۳ ص ۱۰۷، مسلم ج ۵ ص ۷۶
[3] ماخوذ از الخلفاء حصہ اول ص ۹۱

حبیب کو بلاؤ تو میں نے عمر کو بلایا، انھیں بھی دیکھ کر آنحضرت نے منہ پھیر لیا،
تیسری مرتبہ پھر فرمایا کہ میرے حبیب کو بلاؤ تو میں نے علیؑ کو طلب کیا جب وہ آئے
تو سرکار دو عالمؐ نے انھیں اپنی چادر میں لے لیا اور اس وقت تک اپنے سینہ سے
لگائے رہے جب تک کہ آپ کی روح آپ کے جسم سے پرواز نہ کر گئی[1]"

حضرت عائشہ کے مذکورہ بیان پر غور کرنے سے مندرجہ ذیل باتوں کا انکشاف
ہوتا ہے۔

(الف) یہ کہ دوران علالت پیغمبر اسلام کے پاس سازشوں اور عائشہ کے علاوہ خاندان
بنی ہاشم میں سے کوئی موجود نہیں تھا۔

(ب) پیغمبرؐ کے متعلقین اور قرابت داروں کو پیغمبرؐ کی قربت سے الگ رکھا گیا تھا۔

(ج) حضرت عائشہ کی نیت صاف نہ تھی ورنہ وہ رسولؐ کی پہلی ہی آواز پر حضرت
علیؑ کو طلب کرتیں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ خدا کے حبیبؐ کا حبیب حضرت علیؑ کے
علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

(د) حضرت عائشہ نے ایسے لوگوں کو کیوں طلب کیا جو سازشی گروہ کے مکھیا تھے
اور جن کے مکروہ چہروں کو دیکھ کر پیغمبرؐ نے اپنا منہ پھیر لیا۔

ان تمام امور کا خاص سبب آل رسولؐ اور علیؑ سے حضرت عائشہ کی بنیادی دشمنی
تھی، جیسا کہ انگریز مورخ مسٹر گبن کا کہنا ہے کہ:۔

"رسولؐ کا بستر مرض عائشہ جیسی چالاک عورت کے محاصرے میں
تھا جو ابوبکر کی بیٹی اور علیؑ کی بدترین دشمن تھی[2]"

شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب فرماتے ہیں کہ:

"عائشہ ابتدائے علالت سے تادم مرگ پیغمبرؐ کے پاس سے نہ کھسکیں[3]"

اس کی وجہ موصوف یہ بیان کرتے ہیں کہ:۔

---

[1] ریاض النضرہ ج ۲ ص ۱۸۰ [2] تاریخ عروج و زوال سلطنت روم ص ۲۸۹ [3] امہات الامہ ص ۹۱

"وہ (عائشہ) دل سے باپ کی امامت اور خلافت سبھی کچھ چاہتی تھیں"[1]

اپنے باپ کے لئے عائشہ کی تمنائے خلافت کے بارے میں شمس العلماء کا نظریہ سوفی درست ہے مگر ابوبکر کی امامت یعنی پیش نمازی کی فرسودہ داستان سے مجھے قطعی اتفاق نہیں ہے حالانکہ اس داستان کو تمام مورخین و محدثین نے حضرت عائشہ کی زبان سے بیان کیا ہے اور موصوف بھی تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"تصفیۂ خلافت کے وقت اسی امامت کو خلافت ابوبکر کے لئے تازہ سند گردان کر اسی بنا پر صحابہ نے بالاجماع حضرت ابوبکر کو پیغمبر صاحب کا خلیفہ تسلیم کر لیا"[2]

تاریخیں شاہد ہیں کہ ابوبکر منافق بھی تھے اور مشرک بھی[3] اس کے علاوہ اگر ابوبکر میں اسلامی و دینی امور کی انجام دہی کی صلاحیتیں ہوتیں تو وہ سورۂ برات کی تبلیغ سے معزول نہ کئے جاتے یا اسامہ کے لشکر سے تخلف کی بنا پر پیغمبر اسلامؐ ان پر لعنت نہ فرماتے - بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ رسولؐ خدا کسی ایسے شخص کو اپنی جگہ پیش نمازی جیسے اہم فریضہ کے لئے نامزد کرتے جو منافق بھی ہو، مشرک بھی ہو، لعنتی بھی ہو اور بحکم خدا قرآن کے تبلیغی منصب سے معزول بھی کیا گیا ہو - پھر خود حضرت ابوبکر نے بھی سقیفہ میں بیعت کے موقع پر اس دلیل کو خلافت کی بنیاد نہیں بنایا کہ میں مسجد نبوی کا امام جماعت ہوں اور پیغمبر اسلامؐ نے مجھے اس منصب پر فائز کیا ہے، اور نہ ہی عمر نے اس دلیل کی طرف ابوبکر کی توجہ مبذول کرائی اور نہ عائشہ نے اپنے والد محترم کو خلافت کے اکھاڑے میں بھیجتے وقت یہ کہا کہ آپ کی خلافت کے لئے آپ کی امامت کی دلیل محکم اور کافی ہے - ابوبکر جب خلیفہ بننے کے بعد تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو دربار خلافت میں انھوں نے حضرت علیؑ کے سامنے بھی استحقاق

---

[1] امہات الامہ ص ۱۰۲ [2] امہات الامہ ص ۹۸ [3] الخلفاء حصہ اول ص ۵۲ بحوالہ در منثور ج ۴ ص ۸۴، کنز العمال ج ا ص ۲۷۱، ازالۃ الخفاء ج ا ص ۱۹۹، تفسیر کبیر برحاشیہ فتح البیان ج ۵ ص ۳۲۹ مصر -

خلافت کے بارے میں اس دلیل کو پیش نہیں کیا - بہر حال میرے نزدیک اس واقعہ کی کوئی حقیقت و اہمیت قطعی نہیں ہے یہ صرف من گھڑت، فرضی اور بنی امیہ کی اختراع ہے جسے حضرت عائشہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے -

حقیقت یہی ہے کہ پیغمبر اسلام کی حیات کے آخری دور میں حضور کے خلاف جملہ سازشیں اور سازشی گروہ کی تمام تر سرگرمیاں و محاذ آرائیاں صرف اور صرف خلافت کی بازیابی کے لئے تھیں - حضرت عائشہ چونکہ ابوبکر کی بیٹی تھیں لہٰذا فطری طور پر ان کی درپردہ کوشش یہ تھی کہ رسولؐ اللہ کے بعد خلافت کی باگ ڈور ان کے باپ ابوبکر کے ہاتھوں میں رہے مگر یہ کام آسان نہ تھا کیونکہ پیغمبرؐ آخری حج سے واپسی کے دوران غدیر میں بحکم خدا حضرت علیؑ کی ولایت و خلافت کا اعلان کر کے تقریباً دو لاکھ مسلمانوں کی موجودگی میں انھیں اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر کر چکے تھے - اب مسئلہ صرف ملت مسلمہ کی طرف سے علیؑ کی خلافت پر عملدرآمد کا تھا جس کے بارے میں پیغمبرؐ خود بھی یہ محسوس کر رہے تھے کہ جب سازشی گروہ کے افراد مدینہ میں موجود ہیں مسلمانوں کو علیؑ کی خلافت پر متفق و متحد ہونے نہ دیں گے اسی لئے آپ تمام سازشیوں کو اسامہ بن زید کے لشکر میں شامل کر کے مدینہ سے باہر محاذ جنگ پر روانہ کر دینا چاہتے تھے تاکہ بعد میں کوئی جھگڑا ہی نہ رہے - مگر حضرت عائشہ نے اپنے سیاسی جوڑ توڑ سے پیغمبرؐ کے اس منصوبہ کو ناکام بنا کر اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام میں فتنہ و فساد کے دروازے کھل گئے اور مسلمان تہتر فرقوں میں تقسیم ہو گیا -

حصول خلافت کی اس رسہ کشی کے علاوہ دوسرا اہم ترین واقعہ طلحہ ابن عبیداللہ کا ہے جو رسولؐ کے بعد عائشہ سے نکاح کے خواہش مند تھے، یقیناً اس خواہش میں خود حضرت عائشہ کی مرضی بھی کارفرما رہی ہوگی، ورنہ طلحہ ایسے صحابی کی کیا مجال تھی کہ وہ رسولؐ کی زندگی میں ان کی زوجہ کے متعلق اس قسم کی بیہودہ اور غیر شائستہ خواہش کا اظہار کرتے یا ایسے لغو کلمات اپنی زبان پر لاتے، یہ عام مشاہدہ ہے کہ جب کوئی شوہر دار عورت کسی غیر مرد کی طرف رجوع ہو جاتی ہے تو اکثر و بیشتر خطرناک نتائج برآمد ہوتے ہیں -

ان تمام حالات و واقعات کے پیش نظر حضرت عائشہ کی طرف سے بستر علالت پر پیغمبر اسلام کو زہر کا دیا جانا اور مجرمانہ فعل کا سرزد ہونا بعید از قیاس ہرگز نہیں ہے -

ابوبکر و عمر کا دور حکومت اور عائشہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عہد میں حضرت عائشہ کی پوری زندگی کھیل کود، ہنگامہ آرائی، دھما چوکڑی، نفرت و عداوت، رشک و حسد، اختلاف اور لڑائی جھگڑوں میں گزری، جس کی وجہ سے رسولؐ کو بھی بعض مواقع پر سخت اذیتوں اور دشواریوں میں مبتلا ہونا پڑا -

رسولؐ اللہ کی شہادت کے بعد آپ کی منچلی طبیعت قدرے سنجیدگی کی طرف مائل ہوئی - ابوبکر کا زمانہ آپ کی زندگی اور شخصیت سازی کا بہترین زمانہ تھا، باپ کی حکومت تھی، بلاد اسلامیہ پر آپ کی جماعت کا غلبہ تھا، ہر طرح کا سکون و آرام میسر تھا، خوش حالی و کامرانی آپ کے قدموں میں تھی، سیاہ و سفید کا اختیار حاصل تھا گویا کہ آپ ملکۂ وقت تھیں اور کل سلطنت آپ ہی کی تھی -

ابن سعد کا کہنا ہے کہ "عہد ابوبکر و عمر میں حضرت عائشہ فتوے دیا کرتی تھیں اور اکابرین صحابہ ان سے پیغمبرؐ کے احکامات معلوم کیا کرتے تھے"[1]

ابوبکر کے بعد عمر کے دور حکومت میں بھی آپ کو وہی عظمت و منزلت میسر رہی خلیفۂ وقت نے تمام ازواج رسولؐ کا سالانہ وظیفہ دس ہزار مقرر کیا تھا لیکن آپ کو خصوصی مراعات کے تحت بارہ ہزار ملتے تھے[2]

ذکوان (غلام عائشہ) کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عراق سے عمر کے پاس ایک صندوق بھیجا گیا جو بیش قیمت جواہرات سے بھرا ہوا تھا - عمر نے لوگوں سے دریافت کیا کہ اگر تم لوگ

---

[1] طبقات ج ۸ ص ۳۷۵ [2] مستدرک حاکم ذکر عائشہ فی الصحابیات وکتاب الخراج ص ۲۵۰

کہو تو میں یہ صندوق عائشہ کو دے دوں کیونکہ وہ رسولؐ اللہ کی چہیتی تھیں، سب نے منظور کر لیا اور عمر نے وہ صندوق عائشہ کو نذر کر دیا[1]

حضرت عائشہ کی قدر و منزلت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ ۲۳ ہجری میں عمر آخری حج کے لئے تیار ہوئے تو زینب اور سودہ کے علاوہ دیگر امہات المومنین کے ساتھ عائشہ نے بھی حج کی خواہش ظاہر کی - جسے عمر نے بسر و چشم منظور ہی نہیں کیا بلکہ یہ حکم بھی دیا کہ سامان سفر کے ساتھ ام المومنین کے لئے خصوصی انتظامات کئے جائیں اور جملہ آسائشیں مہیا کی جائیں - چنانچہ عماریاں آراستہ کی گئیں ان پر سبز رنگ کے خوشنما پردے ڈالے گئے - عثمان بن عفان اور عبدالرحمٰن بن عوف اونٹوں کی ساربانی پر مقرر ہوئے اور ام المومنین اس شان و شوکت اور جاہ و جلال کے ساتھ دیگر ازواج کے ہمراہ حج کے لئے روانہ ہوئیں کہ ان کے ناقہ کے آگے عثمان تھے جو چیخ چیخ کر یہ آواز دیتے جاتے تھے کہ ہوشیار... خبردار ادھر کا کوئی رخ نہ کرے اور نہ نظر اٹھا کر دیکھنے کی کوشش کرے - ازواج پیغمبرؐ کے ساتھ ام المومنین محو سفر ہیں - عبدالرحمٰن بن عوف قافلہ کے پیچھے چل رہے تھے اور ان کی بھی وہی حالت تھی جو عثمان کی تھی[1]

ام المومنین زینب اور سودہ نے اس سفر میں عائشہ کا ساتھ اس لئے نہیں دیا کہ ان کا کہنا تھا کہ اب اونٹ کی پیٹھ ہمیں حرکت نہیں دے سکتی - رسولؐ خدا کے ساتھ ہم نے حج بھی کر لیا اور عمرہ بھی، اب ہمارے لئے خدا کا حکم یہی ہے کہ ہم گھر میں بیٹھیں -

غرض کہ حضرت عائشہ خصوصی عمری توجہ اور عنایات کا عظیم مرکز تھیں خلیفۂ ثانی کے دور میں انھیں جو مرتبہ حاصل ہوا وہ کسی کو بھی نصیب نہ ہو سکا - عائشہ بھی عمر کا پوری طرح احترام کرتی تھیں اور دونوں کے قول و فعل میں بڑی حد تک یکسانیت بھی تھی - بخاری بیعت عثمان کے واقعات میں اور ابن سعد نے طبقات میں ایک طویل روایت نقل کی ہے جس سے دونوں کے خیالات کی ہم آہنگی کا پتہ چلتا ہے، اس روایت کو نظر انداز کر دینا

[1،2] تفصیل کے لئے دیکھیں طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۰۸، ۲۰۹ -

ہی میرے خیال میں مناسب ہے۔

علامہ ابن عبد ربہ نے عقد فرید میں ممبران شوریٰ کی زبانی عمر کی گفتگو نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عمر کی وصیت یہ تھی کہ میرے بعد تم لوگ عائشہ کے حجرہ میں ہی خلیفہ کا انتخاب کرنا، چنانچہ جب عمر کی تدفین ہو چکی تو مقداد بن اسود نے عائشہ کی مرضی سے ارکان شوریٰ کو ان کے گھر میں اکٹھا کیا، عمرو عاص اور مغیرہ بن شعبہ بھی دروازے پر آکر بیٹھ گئے لیکن سعد نے انھیں پتھر مار کر بھگا دیا اور کہا کہ کل تم دونوں بھی اپنے کو ممبران شوریٰ میں شمار کرنے لگو گے اور لوگوں سے یہ کہو گے کہ ہم بھی شوریٰ میں موجود تھے[1]

عمر نے اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک عائشہ کا پاس و لحاظ کیا اور امتیازی و ترجیحی سلوک کو بدستور روا رکھا اور انھیں اس قوت و طاقت کا مالک بنا دیا کہ بعد میں وہ ہر حکومت سے ٹکرائیں اور اس کے لئے درد سر بن گئیں۔

عمر اگر ایک طرف حضرت عائشہ کی ذات سے والہانہ عقیدت و محبت رکھتے تھے تو دوسری طرف اپنے موقف میں انتہائی سخت بھی تھے جس کا اندازہ علامہ محب الدین طبری کی اس روایت سے ہوتا ہے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

"جب ابوبکر کا انتقال ہو گیا تو عائشہ نے ان کے غم میں صف ماتم بچھائی اور گریہ و ماتم کا اہتمام کیا، عمر کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو وہ کچھ ہمراہیوں کے ساتھ آدھمکے اور دروازے پر کھڑے ہو کر اپنی گرجدار آواز میں گریہ و ماتم سے منع کرنے لگے مگر جب عائشہ اور دوسری عورتیں رونے سے باز نہ آئیں تو عمر نے ہشام بن ولید کو حکم دیا کہ گھر میں گھس جاؤ اور ان رونے والیوں کو زبردستی باہر گھسیٹ کر لے آؤ۔ ہشام گھر کے اندر گھس گیا اور عائشہ کی بہن ام فروہ کو کھینچتا ہوا باہر لے آیا، عمر نے رونے کے جرم میں ام فروہ کو اتنے درّے مارے کہ وہ لہولہان ہو گئیں[2]

[1] عقد الفرید ج ۴ ص ۲۷۵ [2]

بظاہر ام فروہ اور عائشہ کا جرم ایک تھا مگر عمر نے ام فروہ کو زد و کوب کرنے کے بعد عائشہ کو چھوڑ دیا شاید اس لئے کہ ان کی حکومت عائشہ کی مرہون منت تھی۔

عمر کے اس اقدام پر عائشہ جتنا بھی فخر کریں کم ہے کیونکہ عمر نے ان کا وہ پاس و لحاظ کیا جو رسولؐ کے بعد ان کی قدسی صفات بیٹی فاطمہ زہرؑا کا بھی نہیں کیا۔

طبری کی اس روایت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ "غم حسینؑ" میں گریہ و ماتم کے خلاف بدعت کے فتوے اسی عمری سیرت پر عمل کا شاخسانہ ہیں۔

عثمان کا دور حکومت اور عائشہ

خلافت عثمانیہ کے ابتدائی چھ برسوں میں حضرت عائشہ عثمان کی سرگرم حامی رہیں اور قدم قدم پر ان کی اطاعت کرتی رہیں۔ اس کے بعد دونوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس اختلاف کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ عمر نے تمام ازواج رسولؐ کا سالانہ وظیفہ دس ہزار مقرر کیا تھا اور عائشہ کو بارہ ہزار دیتے تھے۔ عثمان نے دو ہزار کم کر کے ان کا بھی وظیفہ دیگر ازواج کے مساوی کر دیا تھا۔

رفتہ رفتہ اسی مخالفت نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور عائشہ کھل کر عثمان سے مقابلہ کے لئے میدان میں اتر آئیں۔ انھوں نے مسلمانوں کو ورغلایا، بھڑکایا اور امادۂ پیکار کیا۔ اور یہ فتویٰ دیا کہ عثمان کافر ہو گیا ہے اس نعثل کو قتل کر دو۔

جب مسلمان عثمان کے خلاف پوری طرح سے مشتعل اور برگشتہ ہو گئے اور حالات انتہائی نازک موڑ پر آگئے تو آپ مدینہ چھوڑ کر حج کے بہانے سے مکّہ روانہ ہو گئیں۔ آپ کے جاتے ہی آپ کے حامی طلحہ نے زبیر وغیرہ کی مدد سے عام مسلمانوں کو آمادہ کر کے حکومت عثمانیہ کا تختہ پلٹ دیا اور عثمان بڑی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔

بلاذری کا کہنا ہے کہ :۔

"حضرت عائشہ کی پہلی وہ ذات ہے جس نے عثمان کی مخالفت میں

آواز بلند کی، ان کے مخالفین کے لئے جائے پناہ بنی اور ان سے آمادۂ پیکار لوگوں کی قیادت کی۔ اس وقت پورے مملکت اسلامیہ میں حضرت ابوبکر کے خاندان سے بڑھ کر حضرت عثمان کا دشمن نہ تھا[1]

حضرت عثمان سے عائشہ کے اختلاف کا سبب ان کے وظیفہ میں تخفیف کے علاوہ، وہ زیادتیاں، مظالم اور تشدد بھی تھے جنھیں عثمان اور ان کے عاملوں نے عام مسلمانوں پر روا کر رکھا تھا اور جن کی وجہ سے مسلمانوں اور اصحاب پیغمبرؐ میں غم و غصّہ اور برہمی کی لہر پیدا ہو چکی تھی، طلحہ و زبیر کی وہ ملی بھگت بھی تھی جس کے ذریعہ وہ لوگ حکومت و امارت کے خواہاں تھے اور جس کی حقیقی تصویر جنگ جمل کے موقع پر ابھر کر سامنے آئی۔

اس دلیل کے تمام حالات اور واقعات کو ہم اپنی کتاب الخلفاء حصّہ دوم میں مفصل طور پر تحریر کر چکے ہیں مناسب ہو گا کہ قارئین کرام اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

قتل عثمان پر عائشہ کے خلاف صحابہ کی گواہیاں

(ماخوذ از الخلفاء حصہ دوم)

مغیرہ بن شعبہ

"مغیرہ ایک دن عائشہ کے پاس آیا تو انھوں نے اس سے فرمایا کہ اے ابوعبداللہ! کاش تم مجھے جنگ جمل میں دیکھتے کہ تیر کس طرح میرے ہودج کو توڑ کر نکل رہے تھے۔ مغیرہ نے کہا، کاش ان تیروں میں سے کوئی تیر آپ کا خاتمہ کر دیتا۔ عائشہ نے فرمایا آخر کیوں؟ مغیرہ نے کہا تمھارے قتل سے اس سعیٔ قتل کا کفارہ ہو جاتا جو عثمان کیلئے

[1] انساب الاشراف ج ۵ ص ۶۸

آپ نے کی ہے[1]"

سعد ابن ابی وقاص

"سعد سے ایک شخص نے پوچھا کہ عثمان کا قاتل کون ہے؟ انھوں نے کہا، اس تلوار سے عثمان قتل ہوئے جو عائشہ نے کھینچی تھی[2]"

ابن کلاب

"حصار عثمان کے وقت عائشہ مکہ چلی گئیں تھیں اور جب عثمان قتل ہو گئے تو مکہ سے پھر مدینہ کی طرف پلٹیں۔ سرف کے مقام پر ابن کلاب سے ملاقات ہوئی پوچھا کیا خبر ہے؟۔ کہا عثمان قتل کر دئے گئے یہ سن کر عائشہ پھر مکہ کی طرف پلٹیں اور فرمایا کہ عثمان بے گناہ قتل ہوئے۔

ابن کلاب نے کہا۔ آپ ہی نے عثمان کا قتل چاہا، آپ ہی وہ ہیں کہ جس نے یہ فتویٰ دیا کہ نعثل کو قتل کر ڈالو کیونکہ یہ کافر ہو گیا ہے[3]

عمار بن یاسر

"عثمان کے قتل ہونے پر عائشہ نے شور مچایا کہ عثمان بے گناہ قتل ہوئے۔ اس پر عمار نے کہا۔ کل تم ان کے قتل کے لئے لوگوں کو بھڑکاتی تھیں اور آج شور مچاتی ہو[4]"

حضرت عائشہ کا اقرار

"جب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے بیعت کی خبر عائشہ کو ملی تو وہ

[1] عقد الفرید ج ۲ ص ۱۹۰ [2] الامامت والسیاست ص ۴۹، عقد الفرید ج ۳ ص ۱۸۸

[3] عقد الفرید ج ۳ ص ۱۸۷ [4] تاریخ کامل ج ۳ ص ۸۰

اس وقت مدینہ میں نہیں تھیں۔ ان سے کہا گیا کہ عثمان قتل ہو گئے اور علیؑ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی۔ یہ سن کر عائشہ نے کہا کہ مجھے پروا نہیں، اگر زمین و آسمان مجھ پر پھٹ پڑے۔ خدا کی قسم عثمان مظلوم قتل ہوئے اور اب میں ان کے خون کا انتقام لوں گی۔ اس پر عبید نے کہا، اے ام المومنین! سب سے پہلے جس نے عثمان پر طعن کی اور لوگوں کو ان کے قتل پر ابھارا وہ آپ تھیں اور آپ نے کہا کہ اس نعثل کو قتل کر ڈالو کیونکہ یہ کافر ہو گیا ہے۔ عائشہ نے کہا، ہاں خدا کی قسم میں نے یہ ضرور کہا اور کیا مگر دوسرا قول پہلے قول سے بہتر ہے۔ عبید نے کہا اے ام المومنین! ہمارے نزدیک قاتل وہ ہے جس نے قتل کا حکم دیا[1]

عمرو عاص

"ابن قتیبہ نے اپنی کتاب الامامت والسیاست میں تحریر کیا ہے کہ جس وقت عثمان قتل ہوئے عمرو عاص فلسطین میں تھا، اسے خبر معلوم ہوئی تو اس نے سعد ابن ابی وقاص کو خط لکھ کر پوچھا کہ عثمان کو کس نے قتل کیا۔ جواب میں سعد نے لکھا کہ اس تلوار سے عثمان قتل ہوئے جسے عائشہ نے تیار کی تھی اور طلحہ نے اس پر صیقل کی تھی"[2]

یہ وہ تاریخی شواہد ہیں جو اس سربستہ راز پر پڑے ہوئے پردے کو چاک کر دیتے ہیں کہ حضرت عثمان کا اصل قاتل کون تھا؟ اب سوال یہ ہے کہ اگر عائشہ نے قتل عثمان کا حکم دیا اور اس حکم کے عملدرآمد پر مسلمانوں کو ہموار کیا تو پھر عثمان کے قتل ہو جانے کے بعد انھوں نے خون عثمان کے قصاص کا نعرہ کیوں بلند کیا جس کے نتیجہ میں جنگ جمل کے نام سے ایک ہولناک حادثہ رونما ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سیاسی نقطۂ نظر سے عائشہ کے لئے اس سے بہتر کوئی صورت نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو پھر فریب میں مبتلا کر کے

---

[1] کامل ج ۳ ص ۸۰، طبری ج ۳ ص ۱۷۳ [2] الامامت والسیاست ص ۵۴۔

اپنے دامن سے خون عثمان کے دھبوں کو صاف کر لیں۔

دوسرے یہ کہ وہ دشمنی اور عداوت جو حضرت علیؑ کی طرف سے آپ کے دل میں تھی، اس کے انتقام کے لئے بھی ضروری تھا کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میدان کارزار گرم کر دیں۔ اگر جنگ میں یہ کامیاب ہو جاتیں تو ان کی ساری دلی مرادیں پوری ہو جاتیں یعنی حضرت علیؑ بھی قتل ہو جاتے اور حکومت و اقتدار کی باگ ڈور بھی ان کے ہاتھ میں آجاتی۔

کیونکہ عائشہ، طلحہ، زبیر اور معاویہ۔ ان چاروں میں ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ وہ اقتدار کا مالک بنے حضرت عائشہ کی سیاست یہ بھی تھی کہ اگر کسی وجہ سے میں اقتدار کی مالک نہ ہو سکوں تو میری بہن کا لڑکا عبد اللہ ابن زبیر اس منصب پر فائز ہو یہی وجہ تھی کہ عثمان کے قتل میں انھوں نے اپنا پورا سیاسی زور صرف کر دیا۔

امیر المومنین حضرت علیؑ کے خلاف عائشہ کا موقف

ایک محقق کی جستجو حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے خلاف عائشہ کے موقف میں اہلبیتؑ سے دشمنی اور عداوت کے علاوہ اور کچھ نہیں پاتی۔ یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ آل رسولؐ خصوصاً حضرت علیؑ سے عائشہ کی عداوت اور دشمنی کو تاریخ نے قیامت تک کے لئے محفوظ کر لیا ہے۔ چنانچہ بخاری کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ سے عائشہ کا بغض و حسد اس نکتہ عروج پر تھا کہ وہ امیر المومنین کا نام لینا بھی گوارہ نہیں کرتی تھیں[1]

علامہ احسان اللہ گورکھپوری نے اپنی تاریخ اسلام میں تحریر کیا ہے کہ علیؑ و فاطمہؑ سے عائشہ کا رشک و حسد مختلف واقعات سے گزر کر نفرت کی حدوں تک پہنچ گیا تھا۔[2]

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶۲ و ج ۳ ص ۱۵۳ و ج ۵ ص ۱۴۰ [2] تاریخ اسلام ص ۲۸۵

امام احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ ایک روز ابو بکر رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باریابی کی اجازت چاہی، لیکن گھر میں داخل ہونے سے قبل انھوں نے عائشہ کی آواز سنی جو چیخ چیخ کر بلند آواز میں پیغمبرؐ سے کہہ رہی تھیں کہ خدا کی قسم آپ علیؑ کو مجھ سے اور میرے باپ سے زیادہ چاہتے ہیں[1]

ابن ابی الحدید معتزلی کا بیان ہے کہ ایک دن رسولؐ اللہ، حضرت علیؑ کے ہمراہ گفتگو کرتے ہوئے جا رہے تھے عائشہ ان کے پیچھے پیچھے چل رہی تھیں کہ اچانک معظمہ کی رگ بھڑک گئی اور وہ رسولؐ اللہ اور علیؑ کے درمیان حائل ہو کر کہنے لگیں کہ بس بہت ہو چکی اب ختم کرو اس گفتگو کو، عائشہ کی اس ناشائستہ حرکت پر رسول اکرمؐ بے حد غضبناک ہوئے[2]

مسروق سے ایک روایت ہے کہ میں ام المومنین عائشہ کی خدمت میں حاضر تھا اور ان سے مصروف گفتگو تھا کہ اتنے میں حضرت عائشہ نے عبد الرحمٰن کے نام سے اپنے ایک حبشی غلام کو آواز دی، وہ آ کر کھڑا ہو گیا، عائشہ نے مجھ سے فرمایا کہ اے مسروق! تمھیں معلوم ہے کہ میں نے اس غلام کا نام عبد الرحمٰن کیوں رکھا ہے؟ میں غور ہی کر رہا تھا کہ پھر فرمایا کہ چونکہ عبد الرحمٰن ابن ملجم علیؑ کا قاتل تھا اس لئے یہ نام بہت عزیز ہے اور میں اس نام سے انتہائی محبت کرتی ہوں۔

اس واقعہ کو علامہ شیخ مفیدؒ نے اپنی کتاب الجمل میں تحریر فرمایا ہے اور اس سے شیخ ابو جعفر طوسیؒ نے اپنی کتاب الشافی ج ۴ صفحہ ۱۵۸ پر نقل کیا ہے۔

گزشتہ صفحات میں ہم "اہلبیتؑ سے عائشہ کی عداوت" کے عنوان سے تحریر کر چکے ہیں کہ حضرت علیؑ کی شہادت پر عائشہ نے شکر کا سجدہ کیا، مسرت و شادمانی کا اظہار فرمایا اور طربیہ اشعار پڑھے۔

آپ حسنین علیہم السلام سے پردہ کرتی تھیں اور جب امام حسن علیہ السلام کی شہادت

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۷۵ [2] شرح نہج البلاغہ ج ۹ ص ۱۹۵

واقع ہوئی تو ان کے جنازہ کو روضۂ رسولؐ میں دفن نہیں ہونے دیا۔ حد یہ ہے کہ خود خچر پر سوار ہو کر نکل پڑیں اور امامؑ کے جنازے پر اتنے تیر برسوائے کہ ستر تیر جسد اطہر میں پیوست ہو گئے۔

یہ وہ تاریخی حقائق ہیں جن سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

قتل عثمان کے بعد جب خلافت حضرت علیؑ کی طرف منتقل ہوئی تو آپ مکہ سے مدینہ کی طرف واپس آ رہی تھیں راستے میں معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ کی بیعت ہو گئی تو فرمانے لگیں کہ مجھے آسمان کا پھٹ پڑنا گوارا ہے مگر علیؑ کا خلیفہ ہونا گوارا نہیں ہے۔ پھر آپ قصاص خون عثمان کا سہارا لے کر اٹھ کھڑی ہوئیں، لشکر جمع کرنا شروع کیا جس کے نتیجہ میں ایک ایسی خونریز، ہولناک اور تباہ کن جنگ وجود میں آئی جو تاریخ میں جنگ جمل کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

جنگ جمل کی تیاریاں اور اس کا پس منظر

دنیا کی خونی جنگوں میں "جنگ جمل" وہ ہولناک اور ہلاکت خیز جنگ ہے جو "خلافت علوی" کے ابتدائی دور میں "قصاص خون عثمان" کے نام پر لڑی گئی۔

اس تباہ کن اور خونریز جنگ کے افسوس ناک نتائج اور "افتراق بین المسلمین" کی تمام تر مجرمانہ ذمہ داریاں حضرت عائشہ، طلحہ اور زبیر پر عائد ہوتی ہیں جو "انتقام عثمان" کی آڑ میں "امیر المومنین" بننے کا جذبہ لے کر تلواروں کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ حالانکہ یہی لوگ عثمان کی زندگی میں ان کے سخت مخالف رہے یہاں تک کہ انھیں کی کوششوں سے "تیسرے خلیفہ" بڑی بیدردی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔

عثمان کے خلاف لوگوں کو اکسانے، ورغلانے اور بھڑکانے میں حضرت عائشہ کا کردار بہت ہی اہم ہے، وہ اس امر سے بخوبی واقف تھیں کہ رسول اکرمؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ عقیدت کی بنا پر مسلمان حضورؐ کے جسم اطہر سے مس ہونے والے باقیات وآثار کی زیارت کو ترس رہے ہیں لہٰذا انھیں باقیات کا توسل عثمانی حکومت کا تختہ پلٹ دینے کے لئے کافی ہے، جب یہ چیزیں مسلمانوں کے سامنے رکھی جائینگی تو وہ جذبات سے مغلوب ہو کر بے قابو ہو جائیں گے اور ان کے دلوں میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

حضرت عائشہ کا یہ حربہ، یقیناً موثر ترین حربہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے سرکار دو عالمؐ کی نعلین مبارک اور پیرہن اقدس کا سہارا لیا اور یہ دونوں چیزیں مسلمانوں کے سامنے رکھ کر مائل بہ فریاد ہوئیں کہ ابھی یہ چیزیں کہنہ بھی نہیں ہونے پائیں کہ عثمان نے

آنحضرتؐ کے دین اور ان کی شریعت کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے۔ کاش! اس نعثل کو کوئی قتل کر دے کیونکہ یہ کافر ہو گیا۔

حضرت عائشہ کی یہ سیاسی تدبیر، کسی طرح "سعودی پٹرول" سے کم نہ تھی۔ اس نے عثمان کے خلاف سلگتی ہوئی چنگاری کو شعلہ بنا دیا، عوام میں غم وغصہ کی آگ بھڑک اٹھی اور مخالفین کے بپھرے ہوئے سیلاب نے قصر خلافت کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ جب آپ نے دیکھا کہ مخالفین ومحاصرین کی گرفت مضبوط ہو چکی ہے تو زید ابن ثابت، مروان بن حکم اور عبدالرحمٰن بن عتاب کی منت وسماجت کے باوجود عثمان کو محاصرے میں چھوڑ کر حج کے بہانے سے مکہ روانہ ہو گئیں۔ سفر کے دوران بھی عثمان کے خلاف آپ کا تبلیغی عمل جاری رہا۔ چنانچہ مدینہ سے کچھ دور نکل کر صلصل کے مقام پر جب آپ کی ملاقات ابن عباسؓ سے ہوئی جو امیر حج کی حیثیت سے مکہ جا رہے تھے، تو آپ نے ان سے بھی فرمایا:-

"اے ابن عباس! خدا نے تھیں قوت گویائی عطا کی ہے، تم لوگوں کو عثمان کی مدد سے روکو اور ان کے بارے میں انھیں شک وشبہ میں مبتلا کرو۔ راستہ ہموار ہو چکا ہے مختلف شہروں سے لوگ فیصلہ کن امر کے لے مدینہ میں جمع ہو چکے ہیں۔ طلحہ نے بیت المال کی کنجیوں پر قبضہ کر لیا ہے اگر وہ خلیفہ ہو گئے تو اپنے ابن عم ابوبکر کی سیرت پر عمل کریں گے[1]"

حضرت عائشہ کی اس گفتگو سے یہ امر پوشیدہ نہیں رہ جاتا کہ وہ عثمان کے بعد طلحہ کی خلافت کا خواب دیکھ رہی تھیں اور ان کے ذریعہ اقتدار کا رخ بھی اپنے خاندان کی طرف موڑنا چاہتی تھیں۔

عثمانی عہد حکومت کے ابتدائی چھ سالوں میں حضرت عائشہ عثمان کی خیر خواہ، ہمنوا، طرفدار اور معین ومددگار رہیں مگر اس کے بعد مخالف ہو گئیں۔ مخالفت کی

[1] طبری ج ۳ ص ۴۳۴

وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عمر نے اپنے دور حکومت میں ازواج رسولؐ کا وظیفہ دس، دس ہزار مقرر کیا تھا لیکن عائشہ کو ترجیحی بنیاد پر بارہ ہزار ملتا تھا، عثمان نے دو ہزار کم کر کے ان کا وظیفہ بھی دیگر ازواج کے برابر کر دیا تھا۔ جیسا کہ یعقوبی کا کہنا ہے کہ:-

"حضرت عثمان اور عائشہ کے درمیان مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ عثمان نے ان کا وظیفہ جو حضرت عمر انھیں دیا کرتے تھے کم کر دیا تھا[1]"

حضرت عثمان اور ان کے عمال کی آمرانہ روش کی وجہ سے صحابہ کا ایک گروہ پہلے ہی سے عثمان کا مخالف تھا، مستزاد یہ کہ عائشہ کی اشتعال انگیزی نے اسے اور ہوا دی یہاں تک کہ اس مخالفت نے زور پکڑ لیا اور لوگ عثمان کے خلاف سرگرم عمل ہو گئے۔ خصوصاً طلحہ ابن عبید اللہ اور ان کا قبیلہ بنی تیم اس مخالفت میں پیش پیش تھا جس کی قائد حضرت عائشہ تھیں ان لوگوں نے قتل عثمان کے اسباب فراہم کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ بلاذری رقم طراز ہیں کہ:-

"طلحہ سے بڑھ کر حضرت عثمان پر سخت گیر کوئی نہ تھا[2]"

طلحہ نے اپنی حکمت عملی سے محاصرین میں جوش وخروش پیدا کر کے عثمان پر محاصرہ کو مزید تنگ کیا، ان پر پانی بند کیا، رات کے اندھیرے میں قصر خلافت پر تیروں کی بارش کی اور عبدالرحمٰن بن عدیس کو اس امر پر مجبور کیا کہ وہ ان کے گھر میں آنے جانے والوں پر پابندی عائد کر دے۔ چنانچہ جب عثمان کو ان باتوں کا علم ہوا تو انھوں نے کہا:

"پروردگار! مجھے طلحہ کے شر سے محفوظ رکھ۔ اسی نے لوگوں کو میرے خلاف بھڑکایا ہے اور میرے گرد گھیرا ڈلوایا ہے[3]"

عثمان کے قتل ہو جانے کے بعد بھی طلحہ کے رویہ میں فرق نہ آیا ان کی لاش پر پتھر برسوائے اور انھیں جنت البقیع میں دفن نہ ہونے دیا اور یہی حالت زبیر کی بھی تھی کہ وہ محاصرین کے درمیان عائشہ کی اس بات کو دہراتے رہے کہ:-

[1] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۳۲ [2] انساب الاشراف ج ۱ ص ۱۱۳ [3] طبری ج ۳ ص ۴۱۱۔

"عثمان کو قتل کر دو اس نے تو تمہارا دین ہی بدل دیا ہے[1]"

یہی وہ لوگ تھے، جنھوں نے قتل عثمان کی بنیاد رکھی اور ان کے خلاف ایسی فضا پیدا کر دی کہ جس کے نتیجہ میں وہ قتل کر دیے گئے۔ اگر عثمان کا قتل واقعی جرم تھا تو یہ لوگ اس جرم سے بری ہرگز نہیں کیونکہ قاتلوں اور مجرموں کی اعانت اور پشت پناہی بھی جرم ہے۔

حضرت عائشہ کو اپنی کامیابی کا یقین تھا کہ ان کا بویا ہوا بیج پھل ضرور دے گا اس لئے وہ قتل عثمان سے بیس دن پہلے ہی اس خیال کے تحت مدینہ سے کھسک لیں کہ دنیا ان کو تمام ہنگامہ آرائیوں سے بے تعلق تصور کرے اور جب عثمان کا کام تمام ہو جائے تو وہ طلحہ یا زبیر کو برسر اقتدار لا کر اس مالی نقصان کی تلافی کر سکیں جو موجودہ حکومت سے انھیں پہنچا ہے۔ مگر وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں اور ان کی عدم موجودگی میں ہی مسلمانوں نے حضرت علیؑ کی خلافت کا فیصلہ کر لیا۔

حضرت عثمان نے جو شوریٰ قائم کیا تھا اس کے رکن طلحہ وزبیر بھی تھے، اس لئے ان کا ذہن بھی خلافت کے تصور سے خالی نہیں تھا، چنانچہ قتل عثمان کے سلسلے کی تمام تر کوششیں اسی مقصد کے حصول کا نتیجہ تھیں، مگر ان لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ لوگ حضرت علیؑ کی خلافت پر بضد ہیں اور ان کے علاوہ کسی کی بیعت پر رضامند نہیں ہیں تو ان لوگوں نے بھی رائے عامہ کا رخ دیکھ کر پیش قدمی کی اور امیر المومنینؑ کی بیعت کر لی۔ اور دوسرے ہی دن یہ مطالبہ کیا کہ انھیں کوفہ وبصرہ کی امارت دے دی جائے۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام نے یہ گوارہ نہ کیا کہ ان علاقوں کو جو حکومت کے محاصل کا سرچشمہ تھے ان کی بڑھتی ہوئی حرص وہوس کی آماجگاہ بننے دیں چنانچہ آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں تمہارے معاملات میں جو بہتر ہوگا وہ کروں گا فی الحال تم دونوں کا میرے پاس ہی مرکز میں رہنا زیادہ بہتر ہے۔

[1] ابن ابی الحدید معتزلی ج ۲ ص ۴۰۴

طلحہ و زبیر یہ سمجھ رہے تھے کہ کوفہ و بصرہ کے لوگوں میں ان کے اثرات ہیں اور انھیں کی آواز پر وہاں کے لوگ عثمانی حکومت میں انقلاب برپا کرنے کی غرض سے جمع ہوئے تھے اس لئے امیر المومنینؑ ان اثر و رسوخ سے متاثر ہو کر انھیں کوفہ و بصرہ کی حکومت کا پروانہ دے دیں گے مگر یوسی کے علاوہ انھیں کچھ حاصل نہ ہوا اور انھوں نے سمجھ لیا کہ حضرت علیؑ کے ہوتے ہوئے انھیں نہ تو من مانی کرنے کا موقع فراہم ہوگا اور نہ ہی وہ خصوصی مراعات حاصل ہوں گی جو سابقہ حکومتوں میں حاصل تھیں، لہذا انھوں نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے غیر آئینی خطوط پر سوچنا شروع کر دیا اور اپنی توجہ کا رخ عائشہ کی نقل و حرکت کی طرف موڑ دیا تاکہ ان کے عزائم کی روشنی میں مستقبل کا لائحہ عمل ترتیب دیں۔

حضرت عائشہ یہ چاہتی تھیں کہ عثمان کے قتل کے بعد، طلحہ کو برسر اقتدار لائیں اور اس طرح خلافت کو مستقلاً اپنے قبیلہ بنی تیم میں منتقل کر دیں اس لئے وہ مکہ میں قیام کے دوران بلوائیوں کی یورش کا نتیجہ معلوم کرنے کے لئے بے چین رہتی تھیں اور ہر آنے جانے والے سے مدینہ کے حالات اور عثمان کے انجام کے بارے میں دریافت کرتی رہتی تھیں۔ اسی اثناء میں مدینہ سے اخضر نامی ایک شخص مکہ آیا حضرت عائشہ نے اسے بلوا کر پوچھا کہ مدینہ کی شورش انگیزی کا کیا نتیجہ ہوا؟ اس نے کہا حضرت عثمان نے مصر کے بلوائیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور شورش و ہنگامہ پر قابو حاصل کر لیا ہے، اس خبر نے ان کے سارے خیالات کا شیرازہ درہم و برہم کر دیا انھوں نے تاسف آمیز لہجہ میں کہا:۔

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن! کیا ان لوگوں کو عثمان نے قتل کر دیا جو اپنا حق مانگنے اور ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کی غرض سے گئے تھے؟ خدا کی قسم ہم اس پر راضی نہیں ہیں[۱]"

ابھی عائشہ افسردگی کی ہی حالت میں تھیں کہ ایک دوسرے شخص نے آکر

[۱] طبری ج ۳ ص ۴۶۸

اطلاع دی کہ اخضر کی باتیں غلط ہیں مصریوں میں سے کوئی نہیں قتل ہوا، وہ کھلے بندوں مدینہ میں دندناتے پھر رہے ہیں، البتہ حضرت عثمان ان لوگوں کے ہاتھ سے مارے گئے ہیں۔ یہ سن کر ام المومنین پر مسرت و شادمانی کی کیفیت طاری ہوگئی اور انھوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا:۔

"خدا اسے اپنی رحمت سے دور رکھے وہ اپنے کرتوتوں کی سزا کو پہنچ گیا[۱]"

اس خبر کے بعد، حضرت عائشہ کے لئے مدینہ جانا ضروری ہوگیا تاکہ طلحہ کی خلافت کا راستہ ہموار کریں اور فضا کو ان کے لئے اپنے اثرات سے سازگار بنائیں۔

چنانچہ انھوں نے فوراً سامان سفر باندھا اور مدینہ کی طرف چل پڑیں۔ لیکن ابھی مکہ سے تقریباً ۱۰ کلومیٹر کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ "سرف" کے مقام پر عبید ابن ابی سلمہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے عثمان اور مدینہ کے سیاسی حالات کے بارے میں اس سے دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ حضرت عثمان قتل کر دیے گئے ہیں۔ پوچھا پھر کیا ہوا؟ کہا:۔

مسلمانوں نے حضرت علیؑ کی بیعت کر لی ہے۔ یہ سنتے ہی زمین پیروں تلے سے کھسکنے لگی اور آسمان دھواں بن کر اڑتا نظر آنے لگا۔ کانوں کو یقین نہ آیا تو پھر پوچھا کہ کیا واقعی علیؑ کی بیعت ہوگئی۔ بھلا ان سے زیادہ مسند خلافت کا مستحق و سزاوار کون تھا؟ اب عائشہ کے لئے اپنے جذبات پر قابو رکھنا مشکل ہوگیا، تیورا کر گرنے ہی والی تھیں کہ ان کی زبان سے بیساختہ نکلا کہ:۔

"کاش یہ آسمان مجھ پر پھٹ پڑے، اب مجھے مکہ واپس جانے دو[۲]"

غرض کہ معظمہ الٹے قدموں مکہ کی طرف پلٹ پڑیں اور رنج و غم کے اسٹیج پر ان الفاظ کے ساتھ ایک نیا ڈرامہ شروع کر دیا:۔

"خدا کی قسم عثمان مظلوم مارے گئے ہیں، میں ان کے خون کا انتقام لے کر رہوں گی[۳]"

[۱] شرح ابن ابی الحدید ص ۷۷ ج ۲ [۲] تاریخ کامل ج ۳ ص ۱۰۵ [۳] کامل ج ۳ ص ۱۰۵

عبید ابن ابی سلمہ اس متضاد طرز عمل کو دیکھ کر حیرت و استعجاب کے دریا میں غرق ہوگیا۔ اس نے عائشہ سے کہا:۔

"آپ تو بار بار یہ کہا کرتی تھیں کہ اس نعثل کو قتل کر ڈالو یہ کافر ہوگیا ہے[۱]"

اب یہ تبدیلی کیسی؟ کہا:۔

ہاں پہلے میں یہی کہا کرتی تھی، لیکن اب یہ میری رائے پہلی رائے سے زیادہ بہتر ہے۔ حضرت عائشہ کی اس بات سے عبید مطمئن نہ ہو سکے چنانچہ انھوں نے کہا کہ اے ام المومنین! خدا کی قسم یہ انتہائی بودا عذر ہے[۲]

اس کے بعد عبید ابن ابی سلمہ نے حضرت عائشہ کو مخاطب کر کے عربی میں کچھ شعر پڑھے جن کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے:

(۱) "آپ ہی نے پہل کی، آپ ہی نے مخالفت کے طوفان اٹھائے اور اب آپ ہی اپنا رنگ بدل رہی ہیں"

(۲) "آپ ہی نے خلیفہ کے قتل کا حکم دیا اور ہم سے کہا کہ وہ کافر ہوگیا ہے"

(۳) "ہم نے مانا کہ آپ کے حکم کی تعمیل میں یہ قتل ہمارے ہاتھوں سے ہوا مگر ہمارے نزدیک اصل قاتل آپ ہیں جس نے قتل کا حکم دیا"

(۴) "(سب کچھ ہوگیا) مگر نہ آسمان ہمارے اوپر پھٹا اور نہ چاند، سورج کو گہن لگا"

(۵) "اور لوگوں نے اس کی بیعت کر لی جو قوت و شکوہ سے دشمنوں کو ہنکانے والا ہے، تلواروں کی دھاروں کو قریب پھٹکنے نہیں دیتا اور گردن کشوں کے بل نکال دیتا ہے"

(۶) "اور لڑائی کے پورے ساز و سامان سے آراستہ رہتا ہے اور وفا کرنے والا غدار نہیں ہوا کرتا"

ام المومنین چونکہ جلد از جلد مکہ پہنچ جانا چاہتی تھیں اس لئے انھوں نے عبید

[۱] کامل ج ۳ ص ۱۰۵ [۲] الامامت والسیاست ج ۱ ص ۵۲۔

کے ان اشعار پر کوئی توجہ نہیں دی اور آگے بڑھ گئیں۔ جب مکہ واپس پہنچیں تو لوگوں نے کہا کہ:۔

اے ام المومنین! ابھی تو آپ روانہ ہوئیں تھیں آخر پلٹ کیوں آئیں؟ بولیں۔ عثمان بے گناہ مارے گئے ہیں میں ان کا خون رائیگاں نہیں جانے دوں گی اور اس وقت تک واپس نہیں جاؤں گی جب تک ان کے خون کا انتقام نہیں لے لوں گی۔!!

لوگ ان کی موجودہ اور سابقہ روش کے تضاد پر سخت حیران ہوئے مگر کچھ کہنے کے بجائے خاموش رہے۔ غرض کہ عائشہ نے عثمان کی مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹ پیٹ کر مکہ ہی میں حضرت علیؑ کے خلاف ایک مضبوط محاذ قائم کر لیا۔ اور جب، طلحہ و زبیر کو معلوم ہوا کہ ان کی مادر گرامی مکہ میں عثمان کی مظلومیت کا پرچار کر رہی ہیں اور علیؑ کو ان کے قتل کا ذمہ دار ٹھہرا رہی ہیں تو انھوں نے عبد اللہ ابن زبیر کو چند خطوط کے ساتھ چپکے سے عائشہ کے پاس مکہ روانہ کیا اور ان پر زور دیا کہ وہ "قصاص خون عثمان" کی تحریک چلائیں اور جس طرح ممکن ہو مزید لوگوں کو علیؑ کی بیعت سے باز رکھیں۔ ان پیغامات نے ان کے ارادوں کو اور مضبوط کیا اور انھوں نے پورے جوش و خروش اور زور و شور سے قصاص عثمان کے نام پر لوگوں کو دعوت دینا شروع کر دی۔ چنانچہ سب سے پہلے عبد اللہ بن عامر نے جو عثمان کی طرف سے مکہ کا گورنر تھا، ان کی آواز پر لبیک کہی۔ اور سعید ابن عاص و ولید ابن عقبہ بھی ان کے ہمنوا بن گئے۔

طلحہ و زبیر قصاص کی آڑ میں ہنگامہ کھڑا کر کے اپنی محرومی و ناکامی کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ لیکن مدینہ کی فضا اس ہنگامہ آرائی کے لئے سازگار نہ تھی کیونکہ قتل عثمان کے سلسلہ میں اہل مدینہ ان کا کردار دیکھے ہوئے تھے۔ البتہ مکہ میں یہ تحریک کامیاب ہو سکتی تھی۔ کیونکہ ام المومنین کے علاوہ سابق گورنر مکہ۔ مروان بن حکم اور مدینہ سے نکل کھڑے ہونے والے دیگر بنی امیہ وہاں جمع ہو چکے تھے۔ چنانچہ ان دونوں (طلحہ و زبیر) نے بھی مکہ جانے کا فیصلہ کیا اور امیر المومنین حضرت علیؑ سے کہا کہ ہم لوگ عمرہ کی نیت سے مکہ جانا چاہتے ہیں، لہذا ہمیں اجازت مرحمت کی جائے۔ امیر المومنین ان کے

تیوروں کو فوراً بھانپ گئے کہ یہ لوگ بیعت کی جکڑ بندیوں سے نکل کر اپنی جولانیوں اور شورشوں کا مرکز مکہ کو بنانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:۔

"خدا کی قسم ان کا ارادہ عمرہ کا نہیں ہے بلکہ یہ لوگ غداری و فریبکاری پر اُتر آئے ہیں[1]۔"

امیرالمومنینؑ نے انھیں سمجھایا کہ تم لوگوں کا مکہ جانا مناسب نہیں ہے مگر یہ لوگ برابر اصرار کرتے رہے اور اپنی ضد پر اڑے رہے بالآخر حضرتؑ نے ان سے دوبارہ بیعت لے کر انھیں مکہ جانے کی اجازت دے دی۔ اور یہ لوگ بھی مکہ پہنچ کر حضرت عائشہ کی جماعت کے سرگرم ممبر بن گئے۔ اور باقاعدہ قصاص کی مہم شروع ہو گئی۔

اس مہم کو کامیاب بنانے کے لئے سرمایہ کی ضرورت بھی تھی۔ اس کا حل یوں نکل آیا کہ بصرہ کا معزول حاکم عبداللہ ابن عامر، بیت المال کی ساری پونجی لے کر مکہ پہنچ گیا اور یمن سے یعلی ابن امیہ چھ لاکھ درہم اور چھ سو اونٹ اپنے ساتھ لایا اور یہ تمام سرمایہ جنگی اخراجات کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔

ابوالفدا نے تحریر کیا ہے کہ:۔

"یعلی تمام پونجی سمیٹ کر نکل کھڑا ہوا اور مکہ پہنچ کر عائشہ وطلحہ و زبیر کے ساتھ ہو گیا اور وہ مال ان کی تحویل میں دے دیا[2]۔"

اہل مکہ سے بھی سرمایہ فراہم کیا گیا اور مالی اعتبار سے لوگ مطمئن ہو گئے۔ جنگ تو بہرحال ایک طے شدہ امر تھی مگر رزمگاہ کی تجویز میں فکریں لڑی ہوئی تھیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ کی رہائش گاہ پر ایک میٹنگ رکھی گئی جس میں سب لوگ شریک ہوئے۔ ام المومنین کی رائے تھی کہ مدینہ پر حملہ کر کے اسے تاراج و مسمار کیا جائے مگر کچھ لوگوں نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ اہل مدینہ سے جنگ ایک مشکل مرحلہ ہو گی لہٰذا کسی اور مقام کو مرکز بنانا چاہیئے۔ کچھ لوگوں نے یہ مشورہ بھی دیا کہ "شام" کو محاذ جنگ قرار دیا جائے۔

---

[1] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۵۶ [2] تاریخ ابوالفداج ۱ ص ۱۷۲

اس پر ابن عامر نے کہا کہ معاویہ کے ہوتے ہوئے شام میں تمہاری ضرورت نہیں ہے[1]۔

شام کو محاذ جنگ قرار دینے میں شاید یہ امر بھی مانع تھا کہ معاویہ جس نے عثمان کا ماتحت ہوتے ہوئے بھی ان کی مدد سے گریز کیا ہو، وہ ان لوگوں کی مدد پر کیوں آمادہ ہوتا؟ پھر جس نے حضرت علیؑ کی خلافت کو قبول نہ کیا ہو وہ ان لوگوں کی کامیابی کے بعد طلحہ یا زبیر کی خلافت کو کیوں نکر تسلیم کرتا؟

بیشک معاویہ ان لوگوں کا ہمنوا تھا مگر اسی حد تک کہ جس حد تک حضرت علیؑ کو اقتدار سے ہٹانے کا تعلق تھا۔

آخرکار۔ بڑی ردوکد اور سوچ بچار کے بعد محاذ جنگ کے لئے بصرہ کی سرزمین کا انتخاب عمل میں آیا۔ بصرہ کو محاذ جنگ بنانے میں جہاں یہ مصلحت کارفرما تھی کہ وہاں ان کے ہمنوا کثرت سے موجود تھے جو جنگ میں ان کا ساتھ دیتے وہاں یہ فائدہ بھی مدنظر تھا کہ حجاز کے ایک طرف شام ہے جہاں معاویہ کی حکومت ہے اور دوسری طرف عراق۔ اگر عراق پر تسلط قائم ہو گیا تو حجاز ان دو مخالف طاقتوں کے درمیان گھر کر رہ جائے گا جس کے بعد امیرالمومنینؑ کی سپاہ کو بآسانی زیر کر کے اقتدار پر قبضہ کیا جا سکتا ہے یا ان دونوں طاقتوں کے زیر اثر انھیں رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ محض ان لوگوں کی خام خیالی تھی کیونکہ "صاحب ذوالفقار" سے مقابلہ ان کے امکان سے قطعی باہر تھا۔

ان تمام باتوں سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ عائشہ اور ان کے ہمنواؤں کے پیش نظر خون عثمان کا قصاص تھا ہی نہیں اگر قصاص مقصود ہوتا تو یہ لوگ بصرہ کو محاذ جنگ بنانے کے بجائے مدینہ ہی کو اپنی تخریب کاریوں کی آماجگاہ بناتے جو حضرت عائشہ کی سابقہ جولانیوں کا مسکن بھی تھا اور جہاں عثمانی حادثہ کے ذمہ دار افراد بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔

---

[1] طبری ج ۳ ص ۴۳۴

عائشہ کے بڑھتے قدم

محاذ جنگ کے تصفیہ کے بعد کوچ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ یعلی بن امیہ نے قبیلہ عرنیہ کے ایک شخص سے چھ سو درہم میں ایک بدنصیب اونٹ خرید کر عائشہ کے حوالے کیا اور عمومی طور پر یہ اعلان کیا کہ جس کے پاس ہتھیار اور سواری نہیں ہے وہ آئے، اسے تمام چیزیں مہیا کی جائیں گی۔

چنانچہ امیرالمومنین نے یعلی کے بارے میں فرمایا ہے کہ:۔

"وہ مجھ سے لڑنے کے لئے لوگوں کو گھوڑا، ہتھیار اور تیس تیس دینار دیتا تھا[1]۔"

طلحہ و زبیر نے عبداللہ ابن عمر پر بھی دباؤ ڈالا کہ وہ ان کی موافقت اور ہمراہی اختیار کریں مگر انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ عائشہ کے لئے ہودج میں بیٹھنے سے گھر میں قید رہنا اور تم لوگوں کے لئے بصرہ جانے سے مدینہ میں رہنا زیادہ بہتر ہے[2]۔

حضرت عائشہ نے حفصہ اور دیگر امہات المومنین کو جو حج کے بعد مکہ میں قیام پذیر تھیں اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کی اور انھیں بھی اپنے ہمراہ جنگ میں حصّہ لینے کی دعوت دی۔ حفصہ تیّار ہو گئیں، مگر بقیہ ازواجِ پیغمبرؐ نے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ عبداللہ ابن عمر کو جب اپنی بہن حفصہ کے اس ارادے کا علم ہوا تو انھوں نے انھیں بھی روک دیا۔

ابن اثیر کا کہنا ہے کہ:۔

"ازواج رسولؐ عائشہ کے ہمراہ مدینہ جانے کا ارادہ رکھتی تھیں مگر جب عائشہ کی رائے بدل گئی اور وہ (حضرت علیؑ سے مقابلہ کے لئے) بصرہ جانے پر تیار ہو گئیں تو سب نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا مگر حفصہ ان کے ساتھ (بصرہ جانے

---

[1] تاریخ اسلام ذہبی ج ۲ ص ۱۴ [2] الامامت والسیاست ج ۱ ص ۶۱۔

پر) تیار ہو گئیں مگر جب عبداللہ ابن عمر کو معلوم ہوا تو انھوں نے روک دیا[1]۔"

حفصہ کی آمادگی خلاف توقع نہ تھی اس لئے کہ ان کے اور عائشہ کے نظریات میں بڑی حد تک ہم آہنگی تھی نہ ان کے مزاجوں میں تضاد تھا اور نہ طبیعتوں میں اختلاف، اور اسی بنا پر دونوں ازواج رسولؐ میں ایک ہی گروہ سے وابستہ تھیں۔

جیسا کہ بخاری نے تحریر کیا ہے کہ:۔

"ازواج پیغمبرؐ میں دو گروہ تھے، ایک میں عائشہ، حفصہ اور سودہ تھیں اور دوسرے گروہ میں ام سلمہ اور دیگر ازواج تھیں[2]۔"

حضرت ام سلمہ کی تمام تر ہمدردیاں حضرت علیؑ کے ساتھ تھیں، چنانچہ جب عائشہ نے انھیں اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کی تو انھوں نے ان کے اس اقدام کی مخالفت کی اور جواب دیا:۔

"اگر رسولؐ اللہ یہ سمجھتے کہ عورتیں جہاد کا بوجھ اٹھا سکتی ہیں تو وہ اپنی حیات میں ضرور یہ حکم دیتے۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ پیغمبر تمھیں دینی معاملات میں تجاوز سے منع فرما گئے ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ اگر دین کا ستون جھک گیا تو عورتوں سے وہ تھم نہیں سکتا اور اگر اس میں شگاف پڑ گیا تو عورتوں کے ذریعہ اس کی درستگی اور اصلاح ممکن نہیں۔ عورتوں کا جہاد صرف یہ ہے کہ وہ نگاہیں نیچی رکھیں اپنے تعلقات کو محدود رکھیں اور اپنے دامن کو سمیٹیں۔ اگر رسولؐ تمھیں ان صحراؤں میں اونٹ دوڑاتے ہوئے ایک چشمہ سے دوسرے چشمہ تک جاتے ہوئے دیکھتے تو کیا کہتے؟ کل تمھیں رسولؐ اللہ کے سامنے جانا ہوگا تو تم کیا جواب دو گی؟ خدا کی قسم اگر (حشر میں) مجھ سے یہ کہا گیا کہ اے ام سلمہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ تو، اگر میں نے اس حجاب کو توڑا ہے، جس کا رسولؐ اللہ مجھے پابند بنا گئے تھے تو مجھے ان کا سامنا کرتے ہوئے شرم آئے گی، لہٰذا بہتر ہے کہ تم پردہ کی پابند

---

[1] کامل ج ۳ ص ۱۰۶ [2] بخاری ج ۲ ص ۵۹۔

اور گھر کی چار دیواری میں بند رہو۔[1]"

حضرت ام سلمہ کی ان نصیحت آمیز باتوں سے سبق حاصل کرنے کے بجائے عائشہ نے انھیں یہ جواب دیا کہ میں دو متحارب گروہوں میں صلح کرانے اور برگشتہ ماحول کو پرامن وسازگار بنانے کی غرض سے جا رہی ہوں۔

ظاہر ہے کہ ام المومنین کا یہ جواب دفع الوقتی کے لئے تھا ورنہ حقیقت ڈھکی چھپی نہیں تھی کہ وہ اس نزاع میں خود ایک فریق کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اگر وہ خدا و رسولؐ کے حکم پر عمل پیرا ہو کر گھر میں بیٹھی رہتیں اور لشکر جمع کر کے بصرہ کا رخ نہ کرتیں تو دو فریق پیدا ہی نہ ہوتے اور نہ ہی جنگ وجدل کی نوبت آتی۔ اور اگر معظمہ کا مقصد دو گروہوں کے درمیان صلح وصفائی پر مبنی تھا تو پھر انھیں سامان حرب وضرب اور لشکر اکٹھا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

بہر حال۔ حضرت عائشہ، سات سو کی جمعیت کے ساتھ جو اس وقت ان کے پرچم کے نیچے جمع ہو چکی تھی، بصرہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔

اس طرح کہ :۔ ع

" عائشہ اونٹ پہ بیٹھی تھیں رسولن بن کر"

راستے میں اور لوگ بھی ان کی چکنی چپڑی باتوں سے متاثر ہو کر فریب میں مبتلا ہوتے گئے جو بے سمجھے بوجھے ان کے ساتھ ہو لئے اس طرح لشکریوں کی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی اور جب یہ لشکر اس موڑ (ذات عرق) پر پہنچا، جہاں سے بصرہ کی راہ لینا تھی تو سعید ابن عاص نے مروان سے پوچھا:۔

ہم لوگ آخر کس طرف منہ اٹھائے ہوئے چلے جا رہے ہیں؟ اور اس دشت پیمائی کا مقصد کیا ہے؟ مروان نے کہا:۔

ہم بصرہ جا رہے ہیں۔ سعید نے کہا:۔

---

[1] عقد الفرید ج ۲ ص ۹۹

بصرہ میں کیا ہے؟ مروان نے کہا ہم عثمان کے قاتلوں سے بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ اس پر سعید نے ترش لہجہ میں کہا:۔

"عثمان کے قاتل (طلحہ وزبیر) تو تم لوگوں کے ساتھ ہی ہیں انھیں کو قتل کر ڈالو اور اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ۔ ایک دوسرے کا ناحق خون نہ بہاؤ[1]"

اس کے بعد۔ سعید ابن عام طلحہ وزبیر کے پاس آئے اور ان سے تنہائی میں پوچھا:۔

یہ بتاؤ! اگر تم لوگوں نے یہ جنگ جیت لی اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تو خلیفہ کون ہوگا۔ سعید نے کہا، جب تم خون عثمان کے قصاص پر جنگ کے ارادہ رکھتے ہو تو تمھیں عثمان کے بیٹوں میں کسی کو خلیفہ بنانا چاہئے جب کہ ان کے دو صاحبزادے ابان اور ولید تمھارے ساتھ ہیں۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو دنیا کے لوگ یہی کہیں گے کہ تم خون عثمان کے قصاص کا لبادہ اوڑھ کر اپنے اقتدار کی راہ ہموار کرنے نکلے تھے۔!!

اس پر طلحہ اور زبیر دونوں ایک ساتھ تڑپ کر بول اٹھے :۔

کیا ہم بزرگ وسن رسیدہ مہاجرین کو چھوڑ کے عثمان کے بال بچوں کو خلیفہ بنائیں گے[2]"

طلحہ وزبیر کی اس گفتگو نے سعید پر واضح کر دیا کہ یہ لوگ قصاص طلبی کے لئے نہیں نکلے بلکہ یہ سارا ہٹر بونگ حکومت اور اقتدار کے لئے ہے چنانچہ وہ کنارہ کش ہو گئے اور ان کے ساتھ عبد اللہ ابن خالد، مغیرہ ابن شعبہ اور قبیلۂ بنی ثقیف کے لوگ بھی علاحدہ ہو کر طائف کی طرف چلے گئے۔ باقی لشکر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

کتوں کا استفسار

لشکر اپنی معینہ منزل کی طرف گامزن تھا کہ دوران سفر ایک ایسا واقعہ رونما

---

[1] طبری ج ۳ ص ۴۷۲ [2] طبری ج ۳ ص ۴۷۲

ہوا جس نے عائشہ کے ہوش وحواس کو درہم وبرہم اور ان کے عزائم وارادوں کو متزلزل کر دیا۔ وہ یہ کہ جب ام المومنین اپنے لشکر کے ساتھ حوأب[a] نامی ایک چشمہ کے قریب شب گزاری کے لئے فروکش ہوئیں تو آپ نے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں جو بھونک بھونک کر آپ کا خیر مقدم کر رہے تھے اور اپنی زبان میں یہ پوچھ رہے تھے کہ اے ام المومنین! خدا اور رسولؐ کے حکم کے خلاف آپ گھر سے کیوں نکل کھڑی ہوئیں؟ آخر آپ کے ساتھ کیا مجبوری تھی؟ جبکہ پیغمبرؐ کی طرف سے آپ کو گھر میں بیٹھنے کی سخت تاکید تھی۔ کیا آپ حضور کی تنبیہ بھول گئیں تھیں جس میں آپ نے اپنی ازواج کو مخاطب کر کے یہ فرمایا کہ تم میں وہ کون ہے جس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے؟

پھر کتوں نے یہ فریاد بھی کی :۔

ہمیں افسوس ہے کہ آپ نے اپنے ہی ہاتھوں اپنا دامن عزت وحرمت چاک کر ڈالا۔ خدا کے لئے واپس جائیے اور توبہ واستغفار کے ذریعہ اپنی اس غلطی کی تلافی کیجئے اور ہمیں زیادہ بھونکنے پر مجبور نہ کیجئے۔

کتوں کی اس فریاد واستفسار کا اثر عائشہ پر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ لیکن ان کے دل ودماغ میں ایک خلش اور الجھن ضرور پیدا ہو گئی چنانچہ انھوں نے قریب کھڑے ساربان سے پوچھا کہ یہ کون سا مقام ہے؟ اس نے کہا یہ حوأب ہے۔ حوأب کا نام سننا تھا کہ آپ پر لرزہ طاری ہو گیا، خوف ودہشت سے کانپنے لگیں اور چیخ چیخ کر کہنے لگیں کہ :۔

" مجھے واپس جانے دو، خدا کی قسم میں ہی وہ حوأب والی ہوں۔[1]"

طلحہ وزبیر وغیرہ کو بھی ان کی اس اچانک تبدیلی پر حیرت ہوئی ان لوگوں نے انھیں تسلی دی اور کہا حوأب ہے تو ہوا کرے آپ اس قدر سراسیمہ اور پریشان کیوں ہیں؟ اور واپسی پر اصرار کیوں ہے؟ جواب میں آپ نے فرمایا:۔

---

[a] یہ چشمہ حوأب بنت کلب ابن دبرہ کے نام پر حوأب کہلاتا تھا [1] تاریخ کامل ج ۳ ص ۱۰۷

ایک مرتبہ رسول اللہ کی بیویاں ان کے گرد جمع تھیں کہ میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں وہ کون ہے جس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے[1]۔ لہٰذا اب مجھے کوئی شک وشبہ نہیں کہ اس سے مراد میں اور آنحضرت کا اشارہ میری ہی طرف تھا۔ بہتر یہی ہے کہ مجھے واپس چلا جانا چاہئے۔

جب طلحہ وزبیر نے سارا معاملہ بگڑتے دیکھا تو کہا کہ کتوں کو بھونکنے دیجئے اور ساربان کو کہنے دیجئے یہ حوأب نہیں ہے۔ پھر معظمہ کو یقین دلانے کے لئے عبد اللہ ابن زبیر نے آس پاس کے پچاس آدمیوں کو اکٹھا کیا اور انھیں کچھ دے دلا کر اس امر کی جھوٹی گواہی دلوا دی کہ یہ حوأب نہیں ہے۔ امام شعبی کا کہنا ہے کہ یہ پہلی جھوٹی گواہی تھی جو اسلام میں دی گئی[2]

ابھی ام المومنین ذہنی کش مکش اور تذبذب کے عالم میں مبتلا ہی تھیں کہ طلحہ نے ایک طرف سے یہ ہلڑ مچوا دیا کہ، جلدی کرو، اٹھو اور چلو کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ سروں پر آپہنچے ہیں[3]

طلحہ کی یہ تدبیر کارگر ہوئی، سنتے ہی لوگ افراتفری کے عالم میں اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت علیؑ کا نام سنتے ہی ام المومنین کے خیالات نے اس طرح پلٹا کھایا کہ انھیں نہ تو کتوں کا بھونکنا یاد رہا نہ حوأب اور نہ قول مرسلؐ۔ امیر المومنین کی عداوت ودشمنی میں ان کے مضمحل ارادوں اور پژمردہ حوصلوں پر پھر سے شباب آگیا اور وہ مکمل جوش وخروش کے ساتھ لشکر کی قیادت کرتی ہوئی بصرہ کی طرف پھر چل پڑیں۔

ام المومنین ام سلمہ کی پیش کش

ایک طرف حضرت عائشہ قدم قدم پر نئے نئے گل کھلا رہی تھیں اور دوسری طرف امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام معاویہ کی طرف سے شام میں رونما ہونے والی

---

[1] تاریخ کامل ج ۳ ص ۱۰۷ [2] تذکرہ خواص الامہ ص ۳۹ [3] کامل ج ۳ ص ۱۰۸

بغاوت کو فرو کرنے کی فکر میں تھے کہ انھیں طلحہ و زبیر کی بیعت شکنی اور عائشہ کی لشکر کشی کی اطلاع مدینہ میں فراہم ہوئی ۔ آپ کو طلحہ و زبیر کی طرف سے یہ اندیشہ ضرور تھا کہ وہ معاویہ سے ساز باز کر کے فتنہ و شر کو ہوا دیں گے مگر عائشہ کی طرف سے یہ خیال بھی نہ تھا کہ وہ معرکہ آرائی کے لئے فوج کشی کریں گی اور خدا و رسولؐ کے خلاف گھر سے نکل کھڑی ہوں گی ۔ لہٰذا مجبوراً آپ نے شام کی مہم کا خیال ترک کیا تاکہ موجودہ صورت حال سے نپٹا جا سکے ۔ چنانچہ مدینہ کے سرکردہ افراد کو آپ نے مسجد نبوی میں جمع کر کے فرمایا کہ طلحہ و زبیر کے باغیانہ اقدام کا تمھیں علم ہو چکا ہے، تم لوگ میرا ساتھ دو تاکہ بصرہ پہنچنے سے پہلے ہی ان لوگوں کو راستہ میں روک لیا جائے ۔ کچھ لوگ، عائشہ، طلحہ اور زبیر ایسی با اثر شخصیتوں کے مقابلہ میں کھڑے ہونے سے ہچکچانے لگے کچھ لوگوں نے صاف انکار کر دیا البتہ زیاد ابن حنظلہ، ہیثم ابن تیہان ابو قتادہ انصاری وغیرہ نے حمایت کا یقین دلایا، ابو قتادہ نے ایک پرجوش تقریر بھی کی اور یہ کہا :-

یا امیر المومنین ! یہ تلوار مجھے رسول اللہ نے سونپی تھی اور ایک عرصہ سے یہ نیام میں ہے لیکن اب وقت آگیا ہے کہ میں ان ظالموں کے خلاف اسے بے نیام کروں جو امت کو فریب دینے میں پیش پیش ہیں[1]

حضرت ام سلمہ نے اپنے فرزند عمر ابن ابی سلمہ کو امیر المومنین کی خدمت میں پیش کیا اور فرمایا :-

"میں اسے آپ کے حوالے کرتی ہوں، یہ جان سے زیادہ مجھے عزیز ہے۔ میرا فرزند تمام معرکوں میں آپ کے ساتھ رہے گا یہاں تک کہ خداوند عالم وہ فیصلہ کرے جو کرنے والا ہے ۔ اگر رسولؐ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہوتی تو میں بھی آپ کے ہمراہ جاتی جس طرح عائشہ، طلحہ و زبیر کے ساتھ نکل کھڑی ہوئی ہیں[2]

[1] تاریخ کامل ج ۳ ص ۱۳ [2] انساب الاشراف ج ا ص ۴۳۰

حضرت ام سلمہ کی اس پیش کش پر حق پرستی جس قدر بھی فخر کرے کم ہے ۔

ابوموسیٰ اشعری کی رخنہ اندازی

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے مدینہ میں سہل ابن حنیف انصاری اور مکہ میں قثم ابن عباس کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور اس شان سے یہ مہم سر کرنے کے لئے کہ عام لشکریوں کے علاوہ ستّر بدریں اور چار سو بیعت رضوان میں شریک ہونے والے صحابہ آپ کے ہمرکاب تھے ۔ مقام ذی قار پر پہنچ کر آپ نے منزل کی اور جنگ کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے امام حسن علیہ السلام اور عمار یاسر کو کوفہ روانہ کیا کہ وہاں کے لوگوں کو جہاد کی دعوت دیں ۔ جب یہ لوگ کوفہ پہنچے اور اہل کوفہ کو امیر المومنین کا پیغام دیا تو والئی کوفہ ابوموسیٰ اشعری درمیان میں دیوار بن کر حائل ہو گیا اور یہ کہہ کر لوگوں کو روکنا شروع کیا کہ یہ اقتدار کی جنگ ہے جو دنیا کا طلب گار ہو وہ جائے ۔ اور جو آخرت کا خواستگار ہو وہ گوشہ نشین ہو کر گھر میں بیٹھے ۔ ابوموسیٰ اشعری کی اس رخنہ اندازی کی اطلاع جب امیر المومنینؑ کو ملی تو آپ نے ابن عباسؓ اور مالک اشتر کو بھی کوفہ بھیج دیا کہ وہ ابوموسیٰ کو سمجھائیں کہ ان حرکتوں سے باز رہے ۔ چنانچہ مسجد کوفہ میں ان لوگوں نے اسے سمجھایا کہ امیر المومنینؑ کی نصرت و مدد کا مقصد فتنہ و شر کا انسداد اور اصلاح بین الناس ہے ۔ مگر اس نے کہا کہ میں نے رسولؐ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عنقریب ایک فتنہ برپا ہوگا جس میں بیٹھنے والا کھڑا ہونے والے سے، کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اور چلنے والا سوار ہونے والے سے بہتر ہوگا[1]

آخر وہ لوگ (طلحہ و زبیر وغیرہ) بھی تو ہمارے ہی بھائی بند ہیں نہ ان کا خون ہمارے لئے مباح ہے اور نہ ان کا مال چھیننا ہمارے لئے جائز ہے ۔

اس پر عمار یاسر نے بگڑ کر کہا کہ :-

[1] کامل ج ۳ ص ۱۱۷ ۔

"بے شک تمھارا گوشہ نشین ہو جانا ہی بہتر ہے"[1]

پھر دونوں ایک دوسرے سے الجھنے لگے اور ابوموسیٰ یہی اصرار کرتا رہا کہ یہ ایک فتنہ ہے اس سے کنارہ کشی ہی بہتر ہے ۔

ادھر یہ کشمکش جاری تھی، اُدھر زید ابن صوحان نے حضرت عائشہ کی طرف سے ابوموسیٰ کے نام موصول شدہ دو خطوط حاضرین کو پڑھ کر سنائے جن میں ابوموسیٰ کو یہ تاکید تھی کہ تم میری مدد کو آؤ ۔ اور اگر کسی مجبوری کے تحت نہ آسکو تو اہل کوفہ کو علیؑ کی نصرت اور مدد سے روکو ۔

ان خطوط کو پڑھنے کے بعد زید نے طنزیہ لہجہ میں کہا :-

"انھیں (عائشہ کو) یہ حکم ہے کہ وہ گھر میں بیٹھیں اور ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم جنگ و قتال کریں تاکہ فتنہ کھڑا نہ ہو لیکن جس امر کا انھیں حکم دیا گیا ہے اسے وہ ہم پر مسلط کر رہی ہیں اور جس امر کا ہمیں حکم ہے کہ ہم جنگ کریں اس پر وہ خود عمل کر رہی ہیں[2]"

پھر ابوموسیٰ سے مخاطب ہو کر زید نے کہا :-

"تم دریا کے بہاؤ کو نہیں روک سکتے، لہٰذا جو بات تمھارے اختیار میں نہیں اس سے دست بردار ہو جاؤ اور لوگوں کو امیر المومنین کی نصرت سے روکنے کے بجائے خاموش ہو کر اپنے گھر میں بیٹھ جاؤ ۔

مگر اس پر کسی بات کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ برابر یہی کہتا رہا کہ یہ ایک فتنہ ہے اس سے بچنا چاہئے ۔ امام حسن علیہ السلام بھی مسجد میں موجود تھے جب آپ نے ابوموسیٰ کا یہ معاندانہ رویہ دیکھا تو اسے پھٹکارتے ہوئے فرمایا :-

"ہماری مسجد سے نکل اور جہاں تیرا دل چاہے وہاں چلا جا"[3]

پھر آپ نے منبر سے ایک بلیغ اور پر اثر تقریر کی اور لوگوں کو امیر المومنینؑ کی

[1] کامل ج ۳ ص ۱۱۷ [2] کامل ج ۳ ص ۱۱۷ [3] اخبار الطوال ص ۱۴۵

نصرت پر آمادہ کیا ۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اہل کوفہ نے کروٹ لی اور عوامی سیلاب آگے بڑھنے لگا ۔ جب کوفہ کی فضا مکمل طور پر سازگار ہو گئی تو مالک اشتر نے دار الامارہ پر قبضہ کر لیا اور ابوموسیٰ کو قصر میں داخل ہونے سے روک دیا ۔ ابوموسیٰ نے گڑگڑا کر خوشامد کی اور کہا کہ مجھے ایک رات کی مہلت دیجئے ۔

مالک اشتر نے کہا کہ تمھیں صرف عشا تک مہلت دی جاتی ہے اپنا منھ کالا کرو اور شہر سے نکل جاؤ، چنانچہ وہ شام کی طرف نکل گیا ادھر اہل کوفہ گروہ در گروہ اٹھ کھڑے ہوئے اور ابوموسیٰ کی کوششوں اور عائشہ کے خطوط کے باوجود بارہ ہزار شمشیر زن راتوں رات مقام ذیقار میں امیر المومنین کے پرچم تلے جمع ہو گئے ۔

امیر المومنین حضرت علیؑ کا یہ جنگی اقدام حکم رسولؐ کے عین مطابق تھا اور اس مہم کو سر کرنے کی پیغمبرؐ نے آپ کو ہدایت کی تھی، جیسا کہ ابوایوب انصاری کا بیان ہے کہ :-

"رسولؐ اللہ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا تھا کہ وہ بیعت شکنوں (اصحاب جمل) بے راہروں (اصحاب صفین) اور بے دینوں (خوارج) سے جنگ کریں"[1]

پیغمبرؐ اسلام نے حضرت علیؑ کے اس اقدام کو ایک مظلوم اور حق پرست کا اقدام اور اس کے مقابلہ میں زبیر کی جنگ کو ظالمانہ و جارحانہ قرار دیتے ہوئے بطور پیشین گوئی فرمایا تھا :-

"اے زبیر! تم جب علیؑ سے جنگ کرو گے تو ان کے حق میں ظالم ہو گے"[2]

اور حضرت عائشہ کو حوأب کے سلسلے میں متنبہ کرتے ہوئے فرمایا تھا :-

"خبردار، اے عائشہ! کہیں وہ تم ہی نہ ہونا"[3]

ان ارشادات پیغمبرؐ کے علاوہ قرآن مجید میں بھی باغیوں کے بارے میں یہ صریحی حکم ہے کہ :-

"اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں برسرپیکار ہوں تو ان میں صلح کراؤ

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۳۹ [2] کامل ج ۳ ص ۱۲۲ [3] تاریخ یعقوبی ج ۳ ص ۱۵۷

اور اگر ان میں ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے، تو تم اس زیادتی کرنے والے گروہ سے جنگ کرو۔"

ان نصوص کے ہوتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت علیؑ کا یہ اقدام عائشہ کے مقابلے میں غلط تھا؟

عائشہ اور اہل بصرہ

حضرت عائشہ کا لشکر چشمۂ حوأب سے روانہ ہو کر جب چاہ ابوموسیٰ پر پہنچا اور حاکم بصرہ عثمان ابن حنیف کو لشکر کے ساتھ اچانک وارد بصرہ ہونے کی خبر ملی تو اس نے ابوالاسود وائلی اور عمران ابن حصین کو بھیجا کہ وہ آپ سے بصرہ میں آنے کا سبب معلوم کریں۔ چنانچہ یہ لوگ گئے اور عائشہ سے پوچھا:۔

اے مادرِ گرامی! آپ کس مقصد سے یہاں تشریف لائی ہیں اور یہ فوج و سپاہ آپ کے ساتھ کیوں ہے؟ کہا کہ میں خون عثمان کا انتقام لینے آئی ہوں جو بے جرم و خطا گھر کے اندر قتل کر دیے گئے۔ ابوالاسود نے کہا کہ بصرہ میں عثمان کا قاتل کوئی نہیں ہے، آپ شاید غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

عائشہ نے فرمایا کہ میں اہل بصرہ کے تعاون سے انتقام لینا چاہتی ہوں۔ ابوالاسود نے کہا، رسولؐ اللہ آپ کو گھر میں بیٹھے کا حکم دے گئے ہیں ان معرکہ آرائیوں سے آپ کو کیا مطلب؟ کیا آپ کے شایان شان یہ بات ہے کہ گھر کا گوشہ چھوڑ کر میدان کارزار گرم کرنے نکل کھڑی ہوں؟

حضرت عائشہ نے کہا، ہم سے لڑنے کی ہمت کون کرے گا؟ اس پر ابوالاسود نے جواب دیا۔ ہم لڑیں گے اور دنیا دیکھے گی کہ کس طرح لڑا جاتا ہے!

عائشہ کا یہ غرور اور یہ گھمنڈ۔ شاید اس لئے تھا کہ وہ ام المومنین ہیں اور زوجۂ رسولؐ ہونے کی وجہ سے انتہائی عزت و توقیر کی مستحق ہیں لہٰذا ایسی صورت میں کون ان سے نبرد آزمائی کی جسارت کر سکتا ہے؟ لیکن ان کا یہ خیال اس وقت کسی حد تک درست ہوتا جب وہ خود اس احترام کو برقرار رکھتیں اور گھر کا گوشہ نہ چھوڑتیں،

جب وہ خود اپنی منزلت کا پاس و لحاظ نہ کر سکیں تو انھیں یہ توقع کیوں تھی کہ وہ احترام جو انھیں گھر کے اندر رہنے میں حاصل تھا، باہر بھی برقرار رہتا۔ اس سلسلہ میں محترمہ کا دوسرا خیال غالباً یہ تھا کہ حضرت علیؑ کے ہمراہ صرف وہی چند گنے چنے افراد ہوں گے جو ان کے ساتھ مدینہ سے چلے ہوں گے کوفہ جہاں سے جنگجو سپاہ فراہم ہو سکتی ہے وہ ابوموسیٰ اشعری کے زیر اثر ہے، اس کے ہوتے ہوئے وہاں سے کمک ملنے کا امکان نہیں ہے لہٰذا ایسی صورت میں حضرت علیؑ کی مختصر سی فوج ان کے لشکر گراں کی تاب نہ لا سکے گی اور وہ بغیر لڑے ہی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائے گی، لیکن معاملہ اس کے برعکس نکلا، امیر المومنینؑ کی آواز پر اہل کوفہ امنڈ پڑے اور راتوں رات ان کی سپاہ میں شامل ہو کر پورے لشکر پر چھا گئے۔

غرض کہ ابوالاسود۔ عائشہ سے گفتگو کے بعد طلحہ و زبیر سے ملے اور ان سے بھی وہی سوال کیا جو انھوں نے عائشہ سے کیا تھا اور ان لوگوں نے بھی وہی جواب دیا جو عائشہ نے دیا تھا۔ پھر ابوالاسود نے کہا کہ تم دونوں امیر المومنین حضرت علیؑ کی بیعت بھی تو کی تھی؟ کہا، ہاں کی تھی مگر اس حالت میں کہ تلوار ہمارے سروں پر لٹک رہی تھی چنانچہ بیعت کئے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔

ابوالاسود ان کی گفتگو سے سمجھ گئے کہ یہ لوگ فتنہ و شر پر آمادہ اور جنگ و جدل پر تلے ہوئے ہیں، اب ان سے مزید بات چیت کرنا وقت کو برباد کرنا ہے لہٰذا وہ پلٹ آئے اور عثمان بن حنیف کو ان کے ارادوں سے آگاہ کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ مشورہ بھی دیا کہ دفاعی اور حفاظتی انتظامات اور مضبوط کر دیے جائیں۔

چاہ ابوموسی پر کچھ توقف کے بعد، ام المومنین کا لشکر حرکت میں آیا اور حدود بصرہ میں داخل ہو کر اس نے مزید (اونٹوں کی منڈی میں پڑاؤ ڈال دیا۔

اہل بصرہ کو جب عائشہ، طلحہ اور زبیر کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو وہ چاروں طرف سے سمٹ کر کثیر تعداد میں ان کے گرد و پیش جمع ہو گئے اور باہم چہ میگوئیاں اور قیاس آرائیاں ہونے لگیں۔ کوئی کچھ کہتا تھا کوئی کچھ۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر

مجمع کو مخاطب کیا اور کہا کہ:۔

اے لوگو! اگر یہ لوگ کسی خوف و دہشت کی وجہ سے ہمارے شہر میں آئے ہیں تو انھیں پناہ دو اور اگر خون عثمان کے انتقام کی غرض سے آئے ہیں تو ہم میں کوئی عثمان کا قاتل نہیں ہے لہٰذا انھیں واپس جانے پر مجبور ہونا ہی پڑا۔

اس کے بعد جاریہ ابن قتادہ نے ہمت کی اور انھوں نے آگے بڑھ کر عائشہ سے کہا:۔

"اے ام المومنین آپ کا اس ملعون اونٹ پر بیٹھ کر ہتھیاروں کا نشانہ بننے کے لئے نکل کھڑا ہونا قتل عثمان سے کہیں زیادہ مصیبت خیز ہے، خدا کی طرف سے آپ کے لئے حجاب و احترام کا حکم تھا جس کا دامن آپ نے خود ہی چاک کر دیا ہے۔ جو شخص آپ سے جنگ کو درست سمجھتا ہے وہ آپ کو قتل کرنے میں بھی دریغ نہیں کرے گا اگر آپ اپنی مرضی سے یہاں آئیں ہیں تو بہتر ہے کہ واپس چلی جائیے اور اگر گھیر کر لائی گئی ہیں تو لانے والوں کے خلاف ہم سے مدد طلب کیجئے[1]"

حضرت عائشہ نے جاریہ کی ان باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ اس وقت آپ کی ساری توجہ اپنی قوت و طاقت کو بڑھانے اور لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے کے نکتہ پر مرکوز تھی۔ اور ان کے پیش نظر یہ مرحلہ تھا کہ وہ اہل بصرہ کو کسی تدبیر سے یہ یقین دلا دیں کہ قتل عثمان حضرت علیؑ کے اشارے پر ہوا ہے اور چند شورش پسندوں کے بل پر انھوں نے مسند خلافت پر قبضہ کر لیا ہے نہ رائے عامہ کی تائید ان کے حق میں ہے نہ انھیں اصحاب شوریٰ کا تعاون حاصل ہے۔ چنانچہ عائشہ، طلحہ اور زبیر نے اس قسم کے غلط تاثرات دینے کے موجودہ مجمع کو خطاب کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حاضرین دو گروہوں میں بٹ گئے ایک گروہ عائشہ، طلحہ اور زبیر کی حمایت پر اتر آیا اور دوسرا گروہ عثمان بن حنیف کا ہمنوا بن گیا اور باہم تکرار ہونے لگی۔ پھر کیا تھا ایک دوسرے

[1] طبری ج ۳ ص ۴۸۲

پر جوتے چلے، پتھر برسے، اور دونوں کے درمیان جم کر گھونسوں اور لاتوں کا تبادلہ ہوا۔ گھر گھر میں پھوٹ پڑ گئی اور بھائی بھائی میں تفرقہ پیدا ہو گیا۔ بصرہ میں یہ حضرت عائشہ کے قدموں کی پہلی برکت تھی۔

عثمان بن حنیف کی دُرگت

طلحہ، زبیر اور عائشہ کی چالبازیوں اور مکاریوں کی بدولت فریب میں مبتلا ہو کر اہل بصرہ کی اکثریت ان کے ساتھ ہو گئی تو انھیں یہ فکر لاحق ہوئی کہ امیر المومنین حضرت علیؑ کے وارد بصرہ ہونے سے پہلے ہی بیت المال اور شہر کے نظم و نسق کو اپنے قبضہ میں لے لیا جائے، چنانچہ انھوں نے شہر کی طرف رخ کیا۔ بصرہ کے حاکم عثمان بن حنیف آسانی سے شہر کو ان کے حوالے کرنے پر تیار نہ تھے۔ انھوں نے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر کے جہاں تک ممکن ہو سکا، حفاظتی اقدامات کئے، یہاں تک کہ حملہ آور جس راستے سے بڑھنے کی کوشش کرتے عثمان بن حنیف کے ساتھی آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے اور انھیں آگے بڑھنے سے روک دیتے اور عورتیں چھتوں سے پتھراؤ کر کے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیتیں۔ لیکن ہزاروں کے ریلے کو کب تک روکا جا سکتا تھا جبکہ عثمان کی طرف سے ہر محاذ پر چند گنتی کے لوگ مامور تھے جن میں نہ مسلح افواج سے مقابلہ کی طاقت تھی اور نہ ہی مقابلہ میں کامیابی کی کوئی امید۔ جب عثمان بن حنیف نے دیکھا کہ شہر کو ان کے دستبرد سے محفوظ نہیں رکھا جا سکتا تو وہ ایک فوجی دستہ اپنے ہمراہ لے کر طلحہ و زبیر کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ تم لوگ کیا چاہتے ہو اور یہ شورش و ہنگامہ آرائی کیوں؟ کہا۔ ہم خون عثمان کا قصاص لینا چاہتے ہیں۔ عثمان نے کہا قصاص لینے کا یہ کوئی طریقہ نہیں ہے یہ کیوں نہیں کہتے کہ ہم خلافت کے لئے لڑ رہے ہیں۔ طلحہ نے کہا، اگر ایسا ہو بھی تو ہم سے زیادہ علیؑ خلافت کے اہل نہیں ہیں۔ غرض کہ دونوں طرف سے بات بڑھنے لگی اور نوبت یہ آئی کہ فریقین نے تلواریں سونت لیں اور جھڑپ شروع ہو گئی، جب دونوں طرف کے اچھے خاصے لوگ مارے جا چکے تو عائشہ نے لڑائی رکوا دی

اور دونوں کے درمیان یہ معاہدہ ہوگیا کہ جب تک امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام تشریف نہ لائیں اس وقت تک فریقین خاموش رہیں اور حکومت کے انتظامی امور اپنی جگہ بدستور برقرار رہیں۔ لیکن اس معاہدہ کو ابھی دو ہی دن گزرے تھے کہ ایک سرد و تاریک رات میں عائشہ کے آدمیوں نے عثمان پر شبخون مارا اور انھیں گرفتار کرکے ان کی داڑھی، سر، بھوؤں اور پلکوں کا ایک ایک بال اکھیڑ لیا، جیسا کہ ابن اثیر لکھتے ہیں:۔

"ابھی دو یا تین دن ہی گزرے ہوں گے کہ انھوں نے بیت الرزق کے نزدیک عثمان پر حملہ کردیا اور گرفتار کرکے چاہا کہ انھیں قتل کردیں مگر اس خیال سے کہ کہیں انصار بھڑ نہ جائیں وہ لوگ ڈر گئے مگر ان کے سر، داڑھی، بھوؤں اور پلکوں کے بالوں کو اکھیڑ کر انھیں قید کردیا[1]،،

ظاہر ہے کہ جب حاکم بصرہ عثمان قید ہو گئے تو ان کے بارے میں ام المومنین کا مشورہ بھی ضروری تھا چنانچہ طلحہ و زبیر نے خلیفہ عثمان کے فرزند ابان کے ذریعہ عائشہ سے معلوم کرایا کہ عثمان بن حنیف کو قید میں رکھا جائے یا قتل کردیا جائے؟ حضرت عائشہ نے فوراً حکم صادر کردیا کہ انھیں قتل کردو۔

ایک عورت نے جب یہ سنا تو اس نے چیخ کر عائشہ سے کہا:۔

کیا غضب کر رہی ہو، عثمان رسولؐ کا صحابی اور تمھارے ابوبکر کا دوست ہے!

عائشہ نے کہا اچھا! تو پھر آبان کو بلاؤ۔

آبان پلٹ کر آیا تو محترمہ نے دوسرا حکم صادر فرمایا کہ انھیں قتل نہ کرو بلکہ قید ہی میں رہنے دو۔

ابان نے یہ دوسرا حکم سنا تو کہنے لگا کہ۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ اس مقصد سے بلا رہی ہیں تو میں پلٹ ہی کر نہ آتا[2]۔

---

[1] تاریخ کامل ج ۳ ص ۱۱۱ [2] طبری ۳ ص ۴۸۵

جنگ جمل اصغر

ام المومنین عائشہ کے حکم سے عثمان بن حنیف کی جان تو بچ گئی مگر ان کے ساتھیوں میں سے چالیس آدمی بے جرم و خطا قتل کردیے گئے۔ اس کشت و خون کے بعد عائشہ کے لشکریوں نے بیت المال پر دھاوا بول دیا اور اس کے پچاس محافظوں کو بھیڑوں اور بکریوں کی طرح ذبح کردیا۔

جب بصرہ کی ایک ممتاز شخصیت حکیم ابن جبلہ کو اس سفاکی، خونریزی اور ظلم و تشدد کا حال معلوم ہوا تو وہ تڑپ اٹھے اور کہا کہ اگر میں اس موقع پر خاموش بیٹھا رہا تو اپنے پروردگار کو کیا جواب دوں گا، چنانچہ وہ قبیلہ بنی بکر اور قبیلہ عبد القیس کے تین سو آدمیوں کو لے کر بیت الرزق کی طرف بڑھے جہاں عبد اللہ ابن زبیر اپنے آدمیوں میں لوٹ کا غلہ تقسیم کر رہا تھا، اس نے حکیم کو آتے دیکھا تو آگے بڑھ کر پوچھا کہ تم کیسے آئے ہو؟ کہا اس غلہ کی تقسیم بند کی جائے، عثمان بن حکیم کو رہا کیا جائے اور انھیں اس وقت دار الامارہ میں رہنے دیا جائے جب تک امیر المومنینؑ یہاں نہیں آجاتے۔ خدا کی قسم اگر میرے پاس یار و انصار ہوتے تو میں اس قتل و غارت گری اور خوں ریزی کا انتقام ضرور لیتا جسے تم لوگوں نے روا کر رکھا ہے۔

ابن زبیر نے کہا، ہم نے خون عثمان کا بدلہ لیا ہے۔ حکیم نے کہا:۔

جن لوگوں کو تم نے قتل کیا ہے، کیا وہ عثمان کے قاتل تھے؟ تم لوگ قہر خدا سے کیوں نہیں ڈرتے اور قتل و غارت گری کا سلسلہ آخر کیوں نہیں بند کرتے؟ اس پر ابن زبیر نے حکیم کو گالیاں دیں اور کہا، تم لوگ یوں ہی چیختے چلاتے رہو ہم وہی کریں گے جو ہمیں کرنا ہے، اب رہ گیا عثمان ابن حنیف کی رہائی کا سوال۔ تو وہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ علیؑ کی بیعت کا طوق اپنی گردن سے اتار کر ہمارے ساتھ ان کے مقابلہ میں صف آرا ہوجائیں۔ حکیم نے جب یہ صورت حال دیکھی تو کہنے لگے۔

"پروردگار! تو حاکم و عادل ہے ان لوگوں کے ظلم و جور پر گواہ رہنا"

پھر اپنے ساتھیوں سے کہا:۔

"مجھے ان لوگوں سے جنگ و قتال کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے، جسے شک ہو وہ واپس چلا جائے[1]"

یہ کہہ کر حکیم نے قبضۂ شمشیر پر ہاتھ رکھا اور میدان میں اتر آئے، حریفوں کی تلواریں بھی نیاموں سے نکل پڑیں اور دیکھتے ہی دیکھتے معرکۂ کارزار گرم ہونے لگا، جنگ کے شعلے بھڑکنے لگے اور تلواروں سے تلواریں ٹکرا کر خون برسانے لگیں۔

حکیم پورے جوش و خروش کے ساتھ مصروف پیکار تھے کہ اچانک ایک شخص نے حکیم کے پیر پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ وہ گھٹنے سے کٹ کر الگ ہوگیا، حکیم نے اپنا وہی کٹا ہوا پیر اٹھایا اور پوری قوت سے اس شخص پر اس طرح پھینکا کہ وہ لڑکھڑا کر ڈھیر ہوگیا، حکیم گھٹنوں کے بل دوڑتے ہوئے اس ملعون کے پاس پہنچے اور اس طرح دبوچ کر اس کے اوپر بیٹھ گئے کہ جب تک اس نے دم نہیں توڑ دیا، الگ نہ ہوئے۔

حکیم بن جبلہ نے بڑی بے جگری سے جنگ کی مگر ان کا مختصر دستہ ہزاروں شمشیر بکف حریفوں کا مقابلہ کہاں تک کرتا، آخر کار سب کے سب موت کے گھاٹ اتر گئے۔ حکیم کے بھائی رعل ابن جبلہ اور ان کے بیٹے اشرف بھی اس جنگ میں کام آئے۔ یہ جنگ تاریخ میں جنگ جمل اصغر کے نام سے موسوم ہے جو ۲۵ ربیع الثانیہ ۳۶ہجری میں واقع ہوئی۔

عثمان بن حنیف کی رہائی

حکیم بن جبلہ اور ان کے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد طلحہ و زبیر وغیرہ نے چاہا کہ عثمان بن حنیف کا بھی خاتمہ کردیں۔ عثمان نے ان کے ارادوں اور تیوروں کو بھانپ لیا، انھوں نے کہا کہ اگر تم نے مجھے قتل کردیا تو یاد رکھو، میرا بھائی سہل ابن حنیف اس وقت مدینہ کا حاکم ہے وہ میرے خون کے بدلے میں تمھارے خاندان بھر کو قتل کردے گا۔ طلحہ وغیرہ

---

[1] طبری ج ۳ ص ۴۹۱ ۔

نے جب عثمان کی یہ گفتگو سنی تو انھیں اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں اور گھر والوں کی جانوں کے لئے خطرہ محسوس ہوا اور اسی خطرے کے پیش نظر انھوں نے عثمان کو چھوڑ دیا اور وہ جان بچا کر بصرہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ اور کسی نہ کسی طرح سے مقام ذیقار میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ گئے، آپ نے جب عثمان بن حنیف کی حالت زار دیکھی تو آبدیدہ ہوگئے۔ اور عثمان نے جب بصرہ کے حالات اور اصحاب جمل کے مظالم کی داستان سنائی تو آپ کا چہرہ غیظ و غضب سے سرخ ہوگیا۔

بصرہ میں شاہِ لافتیٰ کی آمد

عثمان بن حنیف نے جو حالات امیر المومنینؑ سے بتائے انھیں سننے کے بعد بصرہ کی طرف آپ کی روانگی ناگزیر ہوگئی تھی چنانچہ آپ نے اسی وقت لشکر کی صف بندی کی میمنہ اور میسرہ کو ترتیب دیا اور بیس ہزار کا لشکر لے کر اس شان سے روانہ ہوئے کہ ستر بدری صحابہ اور چار سو بیعت رضوان میں شریک ہونے والے اصحاب پیغمبرؐ آپ کے ہم رکاب تھے۔

دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جب یہ سپاہ بصرہ کے قریب پہنچی تو سب سے پہلے انصار کا ایک دستہ نمودار ہوا جس کا پرچم ابو ایوب انصاری کے ہاتھ میں تھا، اس کے بعد ایک ہزار سواروں کا ایک دستہ سامنے آیا جس کے سپہ سالار خزیمہ بن ثابت انصاری تھے، پھر ایک دستہ اور نظر آیا جس کا علم ابوقتادہ ابن ربعی اٹھائے ہوئے تھے، پھر ایک ہزار بوڑھوں اور جوانوں کا جمگھٹا دکھائی دیا جن کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان چمک رہے تھے، چہروں پر خشیت الٰہی کی نقابیں پڑی ہوئی تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا گویا جلالِ کبریا کے سامنے موقف حساب میں کھڑے ہیں ان کا سپہ سالار سر پر عمامہ باندھے، سفید لباس میں ملبوس اور گھوڑے پر سوار با آواز بلند قرآن مجید کی تلاوت کرتا جا رہا تھا، یہ حضرت عمار ابن یاسر تھے، پھر ایک عظیم دستہ دکھائی دیا جس کا علم قیس ابن سعد ابن عبادہ کے ہاتھ میں تھا، پھر ایک بڑا دستہ نظر آیا جس کا قائد سیاہ عمامہ باندھے، سفید لباس

پہنے اور خوش جمال ایسا کہ نگاہیں اس کے گرد مصروف طواف تھیں، یہ عبداللہ ابن عباس تھے، پھر اصحاب پیغمبرؐ کا ایک دستہ نمودار ہوا جس کے علمبردار قثم ابن عباس تھے، پھر چند دستوں کے گزرنے کے بعد، ایک انبوہ کثیر نظر آیا جس میں زنگار رنگ کے پھریرے لہرا رہے تھے اور نیزوں کی وہ کثرت تھی کہ ایک دوسرے میں گتھے جا رہے تھے اور ایک بلند و بالا علم امتیازی شان لئے تھا اس کے پیچھے جلالت و عظمت کے پہروں میں ایک سوار دکھائی دیا، جس کے بازو بھرے ہوئے اور نگاہیں زمین پر گڑی ہوئی تھیں اور ہیبت و وقار کا یہ عالم تھا کہ کوئی نظر اٹھا کر دیکھ نہ سکتا تھا، یہ اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے جن کے دائیں بائیں رسول اللہؐ کے نواسے امام حسن و امام حسین علیہم السلام تھے اور آگے آگے محمد بن حنفیہ فتح و ظفر کا پرچم بلند کئے ہو آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہے تھے، پیچھے جوانان بنی ہاشم، اصحاب بدر اور عبداللہ ابن جعفر تھے۔

جب لشکر شمالی بصرہ کے مقام "زاویہ" پر پہنچا تو شاہ لافتیٰ گھوڑے سے اتر پڑے، آپ نے چار رکعت نماز ادا کی اور مناجات کے لئے سجدہ میں سر رکھ دیا۔ سر اٹھا تو زمین آنسوؤں سے تر تھی اور زبان پر یہ الفاظ تھے کہ اے عرش و فرش کے پروردگار! یہ بصرہ ہے اس کی بھلائی سے ہمارا دامن بھر، اور اس کے شر سے اپنی پناہ میں رکھ۔"

آپ نے اس مقام سے مختلف قاصدوں کے ذریعہ چند خطوط عائشہ، طلحہ اور زبیر کے پاس روانہ کئے جس میں انھیں حرب و پیکار اور خانہ جنگی سے باز رہنے کی ہدایت تھی لیکن ان لوگوں کی سمجھ میں کچھ نہ آیا، اپنی ضد پر اڑے رہے اور سمجھانے بجھانے کے باوجود راہ راست پر نہ آئے۔

میدان جمل

پھر مقام "زاویہ" سے آگے بڑھ کر آپ میدان جمل میں اتر پڑے جہاں تیس ہزار کا مخالف لشکر ٹھاٹھیں مار رہا تھا، چنانچہ آپ کی فوجوں نے بھی لشکر غنیم کے بالمقابل پڑاؤ ڈال دیا۔ اور جب تمام فوجی اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو آپ نے اپنی سپاہ کو یہ ہدایت

دیتے ہوئے فرمایا کہ:-

"جب تک دشمن کی طرف سے ابتدا نہ ہو، تم میں سے کوئی آگے نہ بڑھے اور جب تک اس طرف سے حملہ نہ ہو، تم میں سے کوئی وار نہ کرے، کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، کسی زخمی کو قتل نہ کیا جائے، کسی کے ہاتھ پیر نہ کاٹے جائیں، کسی لاش کی بے حرمتی نہ کی جائے، کسی صاحب توقیر کی پردہ دری نہ کی جائے اور کسی عورت کو گزند نہ پہنچایا جائے۔"

جب یہ ہدایت دے چکے تو غیر مسلح حالت میں گھوڑے پر سوار ہوئے اور صفوں سے باہر نکل کر زبیر کو للکارا کہ وہ کہاں ہے؟ امیرالمومنین کی آواز ہی سن کر زبیر کا دم باہر آگیا، پہلے تو وہ ہچکچایا اور کچھ سوچتا رہا، پھر زرہ بکتر اور آلات حرب و ضرب سے آراستہ ہوکر سہما ہوا حضرت کے قریب آیا تو آپ نے فرمایا: اے زبیر! تم لوگوں کا ارادہ کیا ہے؟ آخر بصرہ میں یہ دھما چوکڑی کیوں مچا رکھی ہے؟ زبیر نے مردہ آواز میں جواب دیا "خون عثمان کے قصاص" کی خاطر۔

آپ نے فرمایا:-

"حیرت ہے کہ تم لوگ مجھ سے خون عثمان کا قصاص چاہتے ہو حالانکہ تمھیں لوگوں نے انھیں قتل کیا۔ خدا ان لوگوں پر موت کو مسلط کرے جو عثمان پر سختی اور تشدد کو روا رکھے ہوئے تھے۔"[1]

پھر فرمایا،

اے زبیر! میں تمھیں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ:-

"تم مجھ سے جنگ کروگے اور میرے حق میں ظالم ہوگے"؟[2]

زبیر نے کہا بے شک رسول اللہؐ نے یہ فرمایا تھا۔ اتنے میں زبیر کی نظر حضرت

---

[1] طبری ج ۳ ص ۵۲۰ [2] تاریخ اسلام ذہبی ج ۲ ص ۱۵۱

عمار یاسر پر پڑی جو امیرالمومنینؑ کے لشکر میں موجود تھے اور جن کے بارے میں پیغمبرؐ نے یہ فرمایا تھا کہ اے عمار! تمھیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ یہیں سے زبیر نے جنگ سے دست بردار ہونے کا فیصلہ کیا اور امیرالمومنینؑ سے کہا میں اب آپ سے نہیں لڑوں گا۔ چنانچہ وہ مرجھائے ہوئے چہرے اور تھکے ہوئے قدموں کے ساتھ حضرت عائشہ کے پاس آیا اور کہا کہ اس جنگ میں نہ میری عقل کام کرتی ہے اور نہ میری بصیرت میرا ساتھ دیتی ہے لہذا میں علیؑ کے خلاف جنگ میں حصہ نہیں لوں گا۔ عائشہ نے کہا کیسی اکھڑی اکھڑی باتیں کر رہے ہو یہ آخر تمھیں کیا ہوگیا ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم فرزندان عبدالمطلب کی چمکتی ہوئی تلواروں، لہراتے ہوئے پھریروں اور موت کو سر پر منڈلاتے ہوئے دیکھ کر خوفزدہ ہوگئے ہو؟

عائشہ نے زبیر کو لاکھ تسلی دی مگر وہ نہیں مانے اور میدان چھوڑ کر چل کھڑے ہوئے اور بصرہ سے سات فرسخ کے فاصلے پر وادی السباع میں عمرو ابن جرموز کے ہاتھوں مارے گئے۔[1] اس طرح امیرالمومنینؑ کے قول کی تصدیق ہوگئی کہ "خدا ان لوگوں پر موت کو مسلط کرے جو عثمان پر سختی اور تشدد کو روا رکھے ہوئے تھے"

زبیر کے مرنے کے بعد، عائشہ کے لشکر کی کمان تنہا طلحہ کے ہاتھوں میں رہ گئی۔

زبیر کا یہ اقدام بجائے خود ایک ثبوت ہے کہ انھوں نے اپنے سابقہ موقف کو غلط سمجھا کیونکہ پہلا موقف صحیح ہو تو یہ دوسرا اقدام صحیح نہیں ہو سکتا اور اگر یہ دوسرا اقدام درست تھا تو پہلا اقدام لامحالہ غلط ہوگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ علیؑ سے جنگ کرنا بھی درست ہو اور ان کے مقابلہ میں جنگ نہ کرنا بھی صحیح ہو۔ زبیر کے اس اقدام نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ اسی طرح عائشہ اور طلحہ کا موقف بھی غلط تھا۔

اتمام حجت

زبیر کے بعد امیرالمومنین نے چاہا کہ طلحہ پر بھی حجت تمام کر دیں چنانچہ انھیں مخاطب

---

[1] طبری ج ۵ ص ۱۹۹، تاریخ ابن عساکر ج ۵ ص ۳۶۴، کامل ج ۳ ص ۹۴، ۹۵

کرکے آپ نے فرمایا:-

"اے طلحہ! تم رسول اللہؐ کی زوجہ کو تو جنگ و قتال کے لئے لائے ہو لیکن اپنی بیوی کو گھر میں چھوڑ آئے ہو کیا تم نے میری بیعت نہیں کی تھی؟"[1]

جب طلحہ نے کوئی جواب نہ دیا اور آپ کی حجت تمام ہو چکی تو آپ اپنے لشکر میں واپس آئے اور قرآن ہاتھوں میں لے کر فرمایا:-

تم میں کون وہ مجاہد ہے جو یہ قرآن لے کر دشمنوں کی صف میں جائے اور انھیں اس کتاب خدا پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دے اور اس مصحف کا واسطہ دے کر انھیں فتنہ انگیزی سے منع کرے، مگر یہ سمجھ لے کہ وہ موت کے منہ میں جا رہا ہے۔

کوفہ کا ایک حق شناس نوجوان، مسلم ابن عبداللہ مجاشعی کھڑا ہوا اور اس نے کہا، یا امیرالمومنین! اس خدمت پر آپ مجھے مامور فرمائیں، آپ نے دعائے خیر دی اور قرآن اس کے حوالے کیا، اس نے اسے بوسہ دیا اور ہاتھوں پر بلند کئے ہوئے دشمنوں کی طرف روانہ ہوا اور انھیں صحیفۂ الٰہی پر عمل کی دعوت دی نیز اس کا واسطہ دے کر فتنہ انگیزیوں سے منع کیا مگر اس کی آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوئی اور کسی نے کوئی توجہ نہیں دی اتنے میں حضرت عائشہ کے ایک غلام نے آگے بڑھ کر اس پر تلوار کا وار کیا اور اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیے، اس نے قرآن کو سینہ سے لگایا مگر دشمنوں کی طرف سے اتنے تیر برسائے گئے کہ قرآن چھلنی چھلنی ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی مسلم مجاشعی کی شہادت بھی واقعی ہوگئی۔ امیرالمومنین نے جب یہ اسلام سوز منظر دیکھا تو آپ نے فرمایا۔

"اب ان لوگوں سے جنگ کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے"۔[2]

مسلم مجاشعی کی اس مجاہدانہ سرفروشی کے بعد، حضرت عمار ابن یاسر دشمن کی صفوں کے قریب آئے اور ان سے تلخ لہجہ میں مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا،

"تم نے اپنی عورتوں کو گھروں کے اندر پردے میں بٹھا رکھا ہے اور

---

[1] اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۸۵ [2] طبری جلد ۳ ص ۵۲۲

رسول اللہؐ کی بیوی کو نیزوں، بھالوں اور تلواروں کے سامنے لے آئے ہو، حالانکہ تمھیں بخوبی معلوم ہے کہ عثمان کے قاتل کون تھے؟ اور ان کے قتل کی ذمہ داری کن لوگوں پر عاید ہوتی ہے[1]؟

حضرت عمار ابھی اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ تیروں کی بوچھار نے انھیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ پلٹ کر امیرالمومنینؑ کی خدمت میں آئے اور کہا، مولا، اب کس بات کا انتظار ہے؟ یہ کمبخت لوگ جنگ کے علاوہ کچھ سننا ہی نہیں چاہتے۔

امیرالمومنینؑ کے صبر و سکوت اور صُلح پسندانہ روش سے دشمنوں کے حوصلے ایسے بڑھے کہ انھوں نے آپ کے لشکر پر تیروں کی بارش شروع کر دی، جس سے متعدد جاں باز سپاہیوں کے سینے چھلنی ہو گئے اور زخموں سے نڈھال ہو کر لوگ زمین پر گرنے لگے۔ اسی اثناء میں ایک شخص کو اٹھا کر حضرت کے سامنے لایا گیا جو تیروں کی بدولت جاں بحق ہو چکا تھا، پھر ایک دوسرے شخص کو لایا گیا وہ بھی تیروں کا شکار ہو کر شہید ہو چکا تھا۔ امیرالمومنینؑ نے یہ کیفیت دیکھی تو پیشانی پر بل پڑے آپ نے تیوریوں کو بدلا اور فرمایا،

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" اب ہر طرح حجت تمام ہو چکی، صلح کے آثار ختم ہو چکے اور دشمن کی طرف سے جنگ کی ابتدا ہو چکی[2]۔

محمد ابن حنفیہ کا حملہ

مخالفین کی طرف سے پہل ہو چکی تھی اور امیرالمومنینؑ کے لئے میدان میں اترے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ چنانچہ آپ عزم و استقلال کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے، پیغمبرِ اسلام کی زرہ زیب تن کی، سر پر سیاہ عمامہ باندھا، ذوالفقار ہاتھ میں لی، میمنہ پر مالک اشتر اور میسرہ پر عمار یاسر کو مامور کیا اور فرمایا:۔

میرے بیٹے محمد کو بلاؤ، وہ حاضر ہوئے تو رسول اللہؐ کا سیاہ علم عقاب ان کے

[1] یعقوبی ج ۳ ص ۱۶۲ [2] کامل ج ۳ ص ۱۱۷

سپرد کر کے فرمایا، بیٹا آگے بڑھو اور لشکرِ غنیم پر حملہ کرو۔ محمد نے سر جھکایا اور علم لے کر میدان کی طرف بڑھے مگر تیر اس کثرت سے آ رہے تھے کہ ان کے لئے آگے بڑھنا دشوار ہو گیا اور وہ ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت نے یہ دیکھا تو پکار کر کہا کہ محمد آگے کیوں نہیں بڑھتے۔ کہا بابا! تیروں کی بوچھار میں آگے بڑھنے کا کوئی راستہ بھی تو ہو، بس توقف فرمائیے کہ تیروں کا زور کچھ کم ہو جائے، فرمایا، نہیں تیروں اور سنانوں کے اندر گھس کر حملہ کرو۔ ابن حنفیہ کچھ اور آگے بڑھے مگر تیر اندازوں نے اس طرح گھیرا ڈالا قدم روک لینے پڑے، یہ دیکھ کر امیرالمومنینؑ کا چہرہ سرخ ہو گیا پیشانی پر غیظ کی شکنیں ابھریں اور آگے بڑھ کے تلوار کا دستہ محمد کی پشت پر مارا اور علم ان کے ہاتھ سے لے لیا۔ پھر آستینوں کو چڑھا کر اس طرح حملہ کیا کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک دشمنوں کی فوج میں تہلکہ مچ گیا، جس صف کی طرف مڑے وہی صف خالی تھی اور جدھر کا رخ کیا لاشیں تڑپنے لگیں اور سر گھوڑوں کے سموں سے ٹکرا کر لڑھکتے نظر آنے لگے۔ جب صفوں کو تہ و بالا کر کے پھر اپنے مرکز کی طرف پلٹ کر آئے تو ابن حنفیہ سے فرمایا، دیکھو بیٹا، اس طرح جنگ کی جاتی ہے۔ یہ کہہ کر پھر علم انھیں دیا اور کہا اب آگے بڑھو، ابن حنفیہ دشمنوں پر ٹوٹ پڑے، دشمن بھی نیزے ہلاتے اور برچھیاں تولتے ہوئے سامنے آئے مگر شیر دل باپ کے جری بیٹے نے پرے کے پرے الٹ دیے، میدان کارزار کو لالہ زار بنا دیا اور کشتوں کے ڈھیر لگا دیئے۔

طلحہ کی ہلاکت

اس ہنگامۂ دار و گیر میں مروان بن حکم، طلحہ کی تاک میں تھا، کہ کسی صورت سے انھیں قتل کر کے خونِ عثمان کا بدلہ چکا لیا جائے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ طلحہ اور زبیر ہی قاتل ہیں اور پوری ذمہ داری انھیں کے سر عاید ہوتی ہے۔ اس انتقامی جذبہ کے علاوہ طلحہ کو ٹھکانے لگانے میں مروان کا ایک سیاسی مقصد بھی تھا وہ یہ کہ مروان سمجھ رہا تھا کہ جب تک یہ زندہ ہیں خلافت بنی امیہ کی طرف منتقل نہیں ہو سکتی۔

زبیر چونکہ میدان چھوڑ کے جا چکے تھے اس لئے مروان ان کے بارے میں مجبور تھا،

البتہ اس نے طلحہ کو موت کے گھاٹ اتارنے کا موقع ڈھونڈھ نکالا، اور جنگ کی اس گرم بازاری میں اس نے اپنے غلام کی آڑ لے کر وہ زہر آلود تیر ان پر چلایا جو ان کی پنڈلی کو چیرتا ہوا گھوڑے کے شکم میں در آیا۔ گھوڑا زخمی ہونے کے بعد بھاگ کھڑا ہوا اور ایک خرابہ میں جا رکا، جہاں طلحہ نے دم توڑ دیا۔ ابن سعد کا کہنا ہے کہ:۔

"جمل کے دن مروان بن حکم نے طلحہ کو جو عائشہ کے پہلو میں کھڑے تھے تیر مارا جو ان کی پنڈلی میں لگا، پھر مروان نے کہا، خدا کی قسم اب مجھے عثمان کے قاتل کی تلاش نہیں رہ گئی[1]"

علامہ عبدالبر، یعقوبی، ابن عساکر، ابن اثیر اور ابن حجر مکی وغیرہ کا کہنا ہے کہ اکابر علماء کے درمیان اس امر میں اختلاف نہیں ہے کہ مروان ہی نے جمل میں طلحہ کو قتل کیا تھا حالانکہ قاتل و مقتول دونوں ہی ایک جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ اور مدائنی نے روایت کی ہے کہ جب طلحہ زخمی ہو کر میدان سے فرار ہوئے تو کسی محفوظ جگہ کی تلاش میں تھے جہاں وہ پناہ لے سکیں چنانچہ حضرت علیؑ کا جو بھی سپاہی ادھر سے گزرتا اس سے وہ کہتے تھے کہ میں طلحہ ہوں خدا کے لئے مجھے کوئی پناہ دے دے۔ پھر وہ مر گئے اور ریگستان کی زمین انھیں نگل گئی[2]۔

اونٹ کے محافظ

حضرت علیؑ کے مقابلہ میں جنگ سے زبیر کی دست برداری یا طلحہ کے قتل ہو جانے سے اصحابِ جمل کے ارادوں، حوصلوں اور ولولوں میں کوئی فرق نہیں آیا، وہ لوگ اسی ہمت، استقلال اور جوش و خروش کے ساتھ جان دینے کے لئے میدان میں ڈٹے اور

[1] طبقات ج ۳ ص ۲۲۲ [2] طبری ج ۵ ص ۲۰۴، تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۵۸، مستدرک ج ۲ ص ۲۷۱، تہذیب ابن عساکر ج ۷ ص ۸۴، استیعاب ص ۲۰۷، ۲۰۸، اصابہ ج ۲ ص ۲۲۲ حالات طلحہ، عقد الفرید ج ۴ ص ۳۲۱ وغیرہ

جمے رہے، اس کا سبب یہ تھا کہ ان کی نظروں میں جنگ کا مرکزی کردار، عائشہ اور صرف عائشہ تھیں اور انہی سے ان کی تمام تر عقیدتیں وابستہ تھیں انتہا یہ کہ وہ لوگ حضرت عائشہ کے اونٹ کی مینگنیاں اٹھا کر انھیں توڑتے اور سونگھ کر کہتے کہ یہ ہماری مادرِ گرامی کے اونٹ کی مینگنیاں ہیں، ان سے مشک و عنبر کی خوشبو آتی ہے[1]۔

حضرت عائشہ کے لشکر کا علم خود محترمہ کا ملعون اونٹ تھا، اس لئے اصحابِ جمل کی نظروں میں اس کا وہی مرتبہ اور احترام تھا جو "علم" کا ہوتا ہے۔ وہ لوگ ہمہ وقت اس کے چاروں طرف حصار باندھے کھڑے رہتے تھے اور جس طرح لشکر کے علم کی حفاظت کی جاتی ہے اسی طرح اس اونٹ کی حفاظت کرتے تھے، یہاں تک کہ اس کی مہار تھام کر قتل ہو جانا ان کے نزدیک سببِ افتخار اور ذریعۂ نجات تھا،

مہار تھامنے والوں کے ہاتھ کٹتے، سینے چھدتے اور سر تنوں سے جدا ہوتے مگر ان کے عزم و ثبات میں لغزش نہ ہوتی۔ حضرت عائشہ مہار کشوں کو خون میں نہاتے دیکھتیں تو ان کی ہمت افزائی کرتی تھیں۔ اس ہمت افزائی کے نتیجہ میں جب بھی کوئی موت سے ہمکنار ہو جاتا تو اس کی جگہ فوراً کوئی دوسرا شخص آگر کھڑا ہو جاتا اور مہار اپنے ہاتھوں میں لے لیتا۔ ان میں زیادہ تر بنی ضبہ، بنی ناجیہ، بنی ازد اور قریش کے لوگ ہوتے تھے جو اپنی اپنی باری پر مہار تھامنے کا شرف حاصل کرتے، رجزیہ اشعار پڑھتے اور فنا کے گھاٹ اتر جاتے۔

مہار کشوں میں جن لوگوں کے نام سے تاریخ بخوبی واقف ہے، ان میں کعب ابن سور، عبدالرحمٰن بن عتاب اور عمرو بن یثربی وغیرہ کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، حالانکہ ان کی تعداد پانچ سو سے اوپر ہے جن کے لئے مہار، موت کا پھندا بن گئی۔

کعب ابن سور لڑائی میں شریک نہیں ہونا چاہتے تھے۔ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ جب طلحہ، زبیر اور عائشہ واردِ بصرہ ہوئے تو یہ ایک کوٹھری میں گھس گئے اور اس کا دروازہ چنوا دیا صرف ایک سوراخ باقی رکھا جس سے کھانا، پانی لیتے تھے، یہ صرف اس لئے تاکہ

[1] طبری ج ۵ ص ۲۱۲ - کامل ج ۳ ص ۹۷

فتنہ سے کنارہ کش رہیں حضرت عائشہ سے کہا گیا کہ اگر کعب آپکے ساتھ ہوگئے تو پورا قبیلۂ ازد آپ کے ساتھ ہوجائے گا۔ حضرت عائشہ ایک خچر پر سوار ہوکر اس کے پاس گئیں اسے آواز دی مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت عائشہ نے کہا، کعب! کیا میں تمھاری ماں نہیں ہوں؟ اب کعب گفتگو کرنے پر مجبور ہوگئے۔ اور ام المومنین اسے میدان حرب وضرب میں کھینچ لائیں، اس کی وجہ سے بنی ازد بھی عائشہ کے ہمراہ و ہمنوا ہوگئے۔ کعب بروز جمل، میدان جنگ میں گلے میں قرآن حمائل کئے ایک ہاتھ سے عصا، اور دوسرے ہاتھ سے مہار پکڑے کھڑا تھا کہ ایک نامعلوم سمت سے سنسناتا ہوا تیر آیا جس نے اسے وہیں پر ٹھنڈا کر دیا۔

اس کے بعد اونٹ کی مہار عبدالرحمٰن بن عتاب نے تھامی اور یہ رجز پڑھا کہ

"میں فرزند عتاب ہوں میری تلوار کی کاٹ ممکن نہیں، اتنے میں کسی سمت سے تلوار پڑی اور وہ موت کے گھاٹ اتر گیا۔ پھر قریش کے ستر آدمیوں نے اس منحوس اونٹ کی مہار تھامی اور سب کے سب قتل کر دیے گئے۔ طبری کا کہنا ہے کہ جو بھی مہار ہاتھ میں لیتا اس کا ہاتھ کاٹ لیا جاتا یا موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔[1]

پھر بنی ناجیہ آگے بڑھے اور سب کے سب مقتول ہوئے۔

پھر عرب کے مشہور شمشیر زن عمرو ابن یثربی نے مہار پکڑی۔ امیر المومنینؑ کی طرف سے ہند ابن عمرو اس پر حملہ آور ہوئے، اس نے اونٹ کی نکیل اپنے بیٹے کے ہاتھ میں تھما دی اور ہند سے مقابلہ ہونے لگا، آخر کار ابن یثربی غالب رہا اور ہند اس کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اس کے بعد اس نے امیر المومنین کی فوج کے دو جانبازوں کو اور قتل کیا، آخر کار یہ عمار یاسر کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اور بھائی بھی مارا گیا، طبری کا بیان ہے کہ عمرو یثربی جنگ کے دوران رجزیہ اشعار پڑھ پڑھ کے اپنی قوم کو برابر ابھارتا اور برانگیختہ کرتا رہا یہاں تک کہ اس نے پورے قبیلہ بنی ضبّہ اور بنی ازد کو کٹوا دیا۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ جب تک بنو ضبّہ کی آوازیں نہ تھمیں میرے اونٹ کی گردن سیدھی

---

[1] طبری ج ۵ ص ۲۰۴

رہی۔ مختلف مورخین کا کہنا ہے کہ بنی ضبّہ اور بنی ازد والوں نے اونٹ کے چاروں طرف انسانی چہار دیواری کھڑی کر دی تھی۔ عمرو یثربی کے بعد اونٹ کی نکیل عمرو بن اشرف کے ہاتھ میں آئی اور حارث سے ان کا مقابلہ ہوا، دونوں زخمی ہوکر گرے اور عمرو کی تلوار نے حارث کا، حارث کی تلوار نے عمرو کا کام تمام کر دیا۔ عمرو بن اشرف کے ساتھ اس کے گھر کے بھی ۱۳ افراد مقتول ہوئے۔[1]

غرض کہ شتر عائشہ کی مہار دست بہ دست گردش کرتی رہی اور موت کے گھاٹ اترتے رہے، آخر میں جب زمر ابن حارث کے ہاتھوں میں آئی تو گھمسان کی جنگ شروع ہوچکی تھی۔

عمرو بن اہلب ضبی کا واقعہ

بنی ضبّہ کی پست کرداری اور دین سے بے خبری کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جسے مدائنی نے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں ایک شخص کو دیکھا جس کا ایک کان کٹا ہوا تھا۔ میں نے سبب پوچھا، اس نے بتایا کہ میں جمل کے میدان میں کشتوں کا منظر دیکھ رہا تھا کہ ایک زخمی نظر آیا جو کبھی سر اٹھاتا تھا اور کبھی زمین پر دے مارتا تھا، میں قریب گیا تو اس کی زبان پر دو شعر تھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ:-

(۱) "ہماری ماں نے ہمیں موت کے گہرے پانی میں ڈھکیل دیا ہے اور ہم نے بھی اس وقت تک پلٹنے کا نام نہیں لیا جب تک سیراب نہیں ہوگئے"

(۲) ہم نے شومیٔ قسمت سے بنی تیم کی اطاعت کرلی حالانکہ ان کے مرد غلام اور ان کی عورتیں کنیز ہیں[2]

وہ شخص، عائشہ، طلحہ اور زبیر پر طنز کر رہا تھا میں نے اس سے کہا، اللہ کو یاد کرو اور کلمہ پڑھو یہ شعر پڑھنے کا وقت نہیں ہے۔ یہ کہنا تھا کہ اس نے مجھے غصہ کی نظروں

---

[1] طبری ج ۵ ص ۲۱۱ - ۲۱۲

سے گھور کر دیکھا اور ایک موٹی سی گالی دے کر کہا کہ تو مجھ سے کہتا ہے کہ میں کلمہ پڑھوں اور آخری وقت میں ڈر جاؤں اور بے صبری کا مظاہرہ کروں، یہ سن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی اور مزید کچھ کہنا سننا مناسب نہ سمجھا اور پلٹنے کا ارادہ کیا۔ جب اس نے پلٹتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگا، اچھا ٹھہرو، تمھاری خاطر اسے پڑھ لیتا ہوں لیکن مجھے سکھا دو، میں اسے کلمہ پڑھانے کے لئے قریب ہوا تو اُس نے کہا اور قریب آؤ میں اور قریب گیا، اس نے کہا ذرا اور قریب آجاؤ، میں اور قریب گیا تو اس نے میرا کان دانتوں میں دبا لیا اور اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک اسے جڑ سے کاٹ نہ لیا۔ میں نے سوچا کہ اس مرنے والے پر کیا ہاتھ اٹھاؤں، اسے لعن طعن کرتا ہوا چلنے لگا تو اس نے کہا ایک بات اور سن لو۔ میں نے کہا وہ بھی سنا لو تاکہ دل میں کوئی حسرت نہ رہ جائے۔ اس نے کہا کہ جب اپنی ماں کے پاس جانا اور وہ تم سے یہ پوچھے کہ کان کس نے کاٹا ہے تو کہنا عمرو بن اہلب ضبّی نے۔ جو ایک ایسی عورت کے چکر میں آگیا تھا۔ جو امیر المومنین بننا چاہتی تھی۔

گھمسان کی جنگ

معرکہ کارزار پوری طرح گرم ہوچکا تھا، میدان جمل میں ہر طرف خون کی بارش ہو رہی تھی۔ حضرت علیؑ کے جانباز مجاہدین صفوں پر صفیں الٹ رہے تھے اور مخالفین بدحواسی کے عالم میں اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ جب حضرت عائشہ نے یہ خونی منظر دیکھا تو ان پر بھی مایوسی کے دورے پڑنے لگے، چنانچہ انھوں نے کچھ کنکریاں طلب کیں اور ہودج سے امیر المومنین کے لشکر کی طرف یہ کہہ کر پھینکا کہ "ان کے چہرے سیاہ ہوجائیں" یہ چربہ تھا اس معجزانہ عمل کا جو جنگ حنین میں رسولؐ اللہ سے ظہور پذیر ہوا تھا مگر وہاں پیغمبرؐ کا عمل کفار کے مقابلہ میں وحیٔ الٰہی کے ماتحت تھا اور یہاں مقابلہ میں امیر المومنینؑ، اصحاب بدر، ممتاز صحابہ اور ذات الٰہی پر بھروسا رکھنے والے سچے اور حقیقی مسلمان تھے، عائشہ کے اس عمل کا کیا اثر ہوسکتا تھا؟ کسی نے توجہ بھی نہ کی، بلکہ ایک بگڑے دل مسلمان نے معمولی تغیر کے ساتھ یہ آیت بھی پڑھی:-

"تم نے یہ کنکریاں نہیں پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکیں ہیں"[1]

بہرحال۔ امیر المومنینؑ نے مالک اشتر کو میمنہ پر اور ہاشم بن عتبہ کو میسرہ پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا اور یہ دونوں اپنے اپنے دستوں کے ساتھ اس شدت سے حملہ آور ہوئے کہ میمنہ کے قدم اکھڑ گئے اور حضرت عائشہ کا میسرہ اپنی جگہ سے ہٹ کر قلب لشکر سے جا ملا۔ کیا۔ میمنہ کا سردار ہلال ابن وکیع، مالک اشتر کی تلوار سے قتل ہوا تو لشکری بھاگ کر عائشہ کے اردگرد پناہ لینے پر مجبور ہوگئے، چنانچہ اونٹ کے چاروں طرف لڑائی شروع ہوگئی۔ بنی ازد اور بنی ناجیہ اونٹ کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے اس کی حفاظت کر رہے تھے اور تیروں و تلواروں کے وار اپنے سروں اور سینوں پر روک رہے تھے۔ بقول زمخشری سروں پر تلواروں کے پڑنے سے ایسی آوازیں آتی تھیں جیسے کپڑا دھونے کے پٹڑے پر چوٹ پڑنے کی آواز ہوتی ہے۔[2]

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ جنگ ابھی فیصلہ کن مرحلہ میں داخل نہیں ہوئی تو آپ نے بذات خود میدان میں اترنے کا فیصلہ کیا اور محمد بن حنفیہ، امام حسن و امام حسین علیہم السلام کے ہمراہ انصار و مہاجرین کا ایک دستہ لے کر اٹھ کھڑے ہوئے، پہلے تو آپ نے ایک نظر میں میدان کارزار کا جائزہ لیا پھر محمد سے فرمایا کہ بڑھو اور صفوں کو چیرتے ہوئے اس مقام پر پہنچو، جہاں عائشہ کا اونٹ کھڑا ہے، محمد آگے بڑھے ہی تھے کہ مخالفین کی طرف سے تیروں کی برسات ہونے لگی۔ یہ حال دیکھ کر حضرت خود آگے بڑھے اور شیر کی طرح دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑے، ذوالفقار کی بجلیاں کوندنے لگیں اور لاشوں کے انبار لگنے لگے۔ معتزلی کا کہنا ہے کہ آپ نے اس طرح حملہ کیا جیسے کوئی بھوکا شیر، بھیڑ اور بکریوں پر حملہ آور ہوتا ہے۔ جب افواج مخالف کی تمام صفیں درہم و برہم ہوگئیں تو آپ پھر اپنے مرکز کی طرف پلٹے، چند لمحے توقف کیا اور پھر دوبارہ حملہ کے ارادے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ محمد بن حنفیہ، عمار یاسر، عدی ابن حاتم وغیرہ نے عرض

---

[1] شرح ابن ابی الحدید معتزلی ج ۱ ص ۸۵۔ [2] فائق ج ۱ ص ۳۵۔

کیا کہ یا امیر المومنینؑ اب آپ ٹھہریں، ہم میدان میں جاتے ہیں، مگر آپ نے کوئی جواب نہ دیا چہرہ غیظ و غضب سے تمتما رہا تھا، آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے اور سینہ سے شیر کے غرانے کی سی آوازیں آرہی تھیں۔ اب کس میں ہمت تھی جو بپھرے ہوئے شیر سے کچھ کہتا لہٰذا سب خاموش رہے، امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہم السلام نے اجازت چاہی آپ نے فرمایا، ابھی نہیں۔ اور دوبارہ پھر دشمنوں کی طرف جھپٹ پڑے اور صفوں کے اندر گھس کر اس طرح تلوار چلائی کہ میدان لاشوں سے پٹ گیا اور لڑتے لڑتے آپ کی تلوار بھی ٹیڑھی ہوگئی۔ پھر آپ اپنی صف کے قریب آئے اور گھوڑے سے اتر کر تلوار سیدھی کی۔ جب آپ کے اعوان و انصار نے دیکھا کہ پھر آپ کا ارادہ میدان کی طرف جانے کا ہے تو ان لوگوں نے قسم دی اور مزید حملہ آور ہونے سے یہ کہہ کر منع کیا کہ اگر آپ پر آنچ آگئی تو دین پر بن جائے گی اور اسلام کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ امیر المومنین نے ان لوگوں کی بات مان لی۔

صاحب ذوالفقار کے دو ہی پر زور حملوں سے اصحاب جمل کے حوصلے پست ہو چکے تھے اور ان پر شکست کے آثار طاری ہو چکے تھے مگر میدان چھوڑنا ان کے لئے اس وقت تک ناممکن تھا جب عائشہ کا اونٹ ان کے درمیان کھڑا تھا، اس کی بھی یہ کیفیت تھی کہ اس کی جھول اور ام المومنین کے کجاوہ میں تیر اس طرح پیوست تھے جس طرح ساہی کے بدن میں کانٹے ہوتے ہیں اور وہ اس خونی ہنگامہ کی تاب نہ لاکر اس طرح گھوم رہا تھا جس طرح چکی گھومتی ہے۔

امیر المومنین نے سوچا کہ جب تک اونٹ میدان میں کھڑا ہے جنگ کا خاتمہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ اہل بصرہ کسی کو اونٹ کے پاس پھٹکنے نہیں دیتے تھے اور اس امر پر تلے ہوئے تھے کہ جان بھلے ہی چلی جائے مگر اونٹ کو کوئی گزند نہ پہنچنے پائے۔ چنانچہ حضرت نے اسے میدان سے ہٹانے کا تہیہ کیا اور قبیلۂ نخع و ہمدان کے جواں مردوں کو لے کر آگے بڑھے، ذوالفقار چمکی پرے ٹوٹے اور آپ اپنے ہمراہیوں سمیت اونٹ کے پاس پہنچ گئے۔ پھر ایک شخص "بجیر ابن دلجہ بجعی" کو حکم دیا کہ اونٹ کی کونچیں کاٹ دو۔ بجیر نے

اونٹ کی پچھلی ٹانگوں پر تلوار لگائی، ایک مہیب آواز فضا میں گونجی، اور اونٹ پہلو کے بھل زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ اونٹ کا گرنا تھا کہ مہار کشوں کے سارے حوصلے خاک میں مل گئے، ایک عام بھگدڑ مچ گئی اور عائشہ کے سپاہی اس طرح بھاگے جیسے تیز آندھی میں ٹڈیاں اڑتی ہیں، کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا اور لاشوں اور کراہتے ہوئے زخمیوں کو کچلتے روندتے لوگ جدھر سمجھ میں آرہا تھا منہ اٹھائے ہوئے بھاگ رہے تھے، مختصر یہ کہ دیکھتے ہی دیکھتے سارا میدان خالی ہوگیا۔

پھر شاہِ لافتیٰ کے حکم پر محمد بن ابوبکر اور عمار یاسر نے اونٹ کے تسمے کاٹے اور ہودج کو زمین پر اتار رکھدیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس اونٹ کو مار کے جلا دیا جائے اور اس کی راکھ ہوا میں منتشر کر دی جائے۔ چنانچہ وہ اونٹ مار کر جلایا گیا اور اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی گئی تو آپ نے فرمایا:۔

"اس چوپائے (اونٹ) پر خدا لعنت کرے یہ بنی اسرائیل کے گوسالے سے کتنا مشابہ تھا"[1]

امیر المومنینؑ کا رحم و کرم

پھر امیر المومنین نے محمد بن ابوبکر سے فرمایا کہ عائشہ کے لئے ایک خیمہ نصب کرو اور ان سے ان کی خیریت معلوم کرو کہ انھیں کوئی گزند تو نہیں پہنچا۔ محمد نے خیمہ نصب کیا، پھر ہودج کے پاس آئے اور پردے میں منہ ڈالا۔ عائشہ نے کہا: تم کون ہو؟ محمد نے کہا آپ کا سب سے زیادہ ناپسندیدہ رشتہ دار۔ عائشہ نے پوچھا، خثعمیہ کے فرزند؟ کہا، ہاں۔ عائشہ نے کہا کہ اس معبود کا شکر ہے کہ اس نے تمھیں محفوظ رکھا۔

مسعودی نے مروج الذہب میں تحریر کیا ہے کہ محمد نے کہا آپ کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار اور آپ کا ناپسندیدہ بھائی ہوں۔ امیر المومنین نے پوچھا ہے کہ آپ کو کوئی

[1] شرح ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۸۹

گزند تو نہیں پہنچا۔

عائشہ نے فرمایا کہ صرف ایک تیر لگا تھا اور کوئی تکلیف نہیں ہے۔

پھر امیر المومنین خود تشریف لائے اور لکڑی سے ہودج کو ایک ٹہوکا دیا اور فرمایا:۔

کیوں حمیرا! کیا رسول اللہ نے تمھیں یہی حکم دیا تھا؟ کیا تمھیں اس امر کی تاکید نہیں کی تھی کہ گھر میں بیٹھی رہنا؟ خدا کی قسم ان لوگوں نے تمھارے ساتھ انصاف نہیں کیا جنھوں نے اپنی بیویوں کی تو حفاظت کی اور تمھیں میدان میں لے آئے۔

حضرت عائشہ نے کہا، اب آپ فتح یاب ہو چکے ہیں مجھ پر کرم فرمائیے[1]

لڑائی ختم ہو جانے کے بعد حضرت عمار یاسر نے عائشہ سے کہا، ام المومنینؑ! آپ کا طرز عمل پیغمبرؐ کے طرز عمل سے کتنا الگ ہے! عائشہ نے کہا، بخدا میں ہمیشہ تمھیں حق گو سمجھتی رہی۔ اس پر عمار نے کہا، خدا کا شکر ہے جس نے آپ کی زبان سے یہ بات کہلا دی[2]

تاریخ کامل ج ۳ ص ۱۳۰ پر یہ روایت بھی ہے کہ عمار یاسر نے حضرت عائشہ کو جب ام المومنین کہہ کر مخاطب کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں تمھاری ماں نہیں ہوں، اس پر عمار نے کہا، آپ ماں تو ہیں، خواہ مانیں یا نہ مانیں۔

عام معافی

جنگ کے خاتمہ پر ایک بار پھر حضرت علی علیہ السلام کے منادی نے اعلان کیا کہ، کسی زخمی کو مارا نہ جائے، کسی بھاگتے ہوئے کا پیچھا نہ کیا جائے، جو ہتھیار ڈال دے وہ امان میں ہے اور جو گھر کا دروازہ بند کرے اسے بھی امان حاصل ہے۔

کنز العمال میں اس کے بعد یہ اضافہ ملتا ہے:۔

[1] طبری ج ۵ ص ۲۰۴، عقد الفرید ج ۴ ص ۳۲۸ و تاریخ یعقوبی۔ [2] طبری ج ۵ ص ۲۲۵، ۲۲۶، تاریخ کامل ج ۳ ص ۱۰۲

کہ امیر المومنین نے فرمایا:۔

کوئی شرمگاہ حلال نہ سمجھی جائے، کوئی مال مباح نہ تصور کیا جائے میدان جنگ میں جو ظروف ہاتھ لگیں ان پر قبضہ کر لو، باقی سب کچھ مقتولین کے ورثا رکا ہے۔ جو غلام لشکر سے نکل گیا ہو اسے تلاش نہ کرو، جتنے ہتھیار ہاتھ آئیں وہ سب تمھارے ہیں۔ ام ولد پر تمھارا کوئی دسترس نہیں، میراث اسی طرح تقسیم ہوگی جس طرح خدا کا حکم ہے، جس عورت کا شوہر اس جنگ میں مارا گیا ہے اسے لازم ہے کہ چار ماہ دس دن عدہ میں رہے۔

اس موقع پر کچھ انتہا پسندوں نے نکتہ چینی کی اور کہا:۔

آپ انھیں قتل کرنا ہمارے لئے جائز قرار دیتے ہیں لیکن ان کی عورتوں کو ہم پر مباح کیوں نہیں کرتے؟ امیر المومنینؑ نے فرمایا، اہل قبلہ کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا جانا چاہئے۔

امیر المومنینؑ کے اس جواب پر کچھ لوگ ناراض ہوگئے اور ہنگامہ آرائی پر اتر آئے تو آپ نے فرمایا، اچھا، اگر تم نہیں مانتے تو سب سے پہلے عائشہ کے لئے قرعہ اندازی کرو کیونکہ اس جھگڑے کی بنیاد اور قائد وہی ہیں۔ جس کے نام قرعہ نکلے، عائشہ کو اس کے حوالے کردو۔

یہ سننا تھا کہ سب کے ہوش اڑ گئے، سب نے معذرت کی اور کہا ہم خدا سے توبہ اور استغفار کرتے ہیں[1]

حضرت عائشہ کی واپسی

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے ابن عباس کو اس امر پر مامور کیا کہ وہ حضرت عائشہ سے کہیں کہ اب ان کا یہاں نہ کوئی کام ہے اور نہ مدینہ سے زیادہ عرصہ تک باہر رہنا مناسب ہے لہٰذا وہ واپس جانے کی تیاریاں مکمل کریں۔

عبداللہ ابن عباس کا بیان ہے کہ میں حضرت علیؑ کا پیغام لے کر عائشہ کے پاس گیا، ملاقات کی اجازت چاہی، انھوں نے انکار کیا تو میں گھر کے اندر گھس گیا۔ اور ایک بوریا کا

[1] کنز العمال ج ۸ ص ۲۱۵ تا ۲۱۷

ٹکڑائے کر اس پر بیٹھ گیا۔ اس پر عائشہ نے کہا، تم کیسے آدمی ہو کہ بغیر اجازت اندر چلے آئے اور بغیر پوچھے بیٹھ گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ عائشہ نے کہا:۔

تم نے سنت رسولؐ کی دہری مخالفت کی اول یہ کہ بغیر اجازت ہمارے گھر میں داخل ہوئے اور دوسرے یہ کہ بغیر اجازت ہمارے فرش پر بیٹھ گئے۔

ابن عباس نے کہا، خدا کی قسم یہ سنت کی تعلیم ہم نے آپ کو دی ہے، یہ آپ کا گھر ہرگز نہیں ہے، آپ کا گھر تو وہ ہے جس میں اللہ اور رسولؐ نے آپ کو بیٹھی رہنے کا حکم دیا تھا مگر آپ نے حکم کی کوئی پابندی نہیں کی۔ اس وقت میں امیر المومنینؑ کا پیغام لے کر آیا ہوں کہ آپ مدینہ واپس جانے کی تیاریاں کیجئے۔

عائشہ نے کہا، خدا رحم کرے امیر المومنین پر، وہ تو عمر بن خطاب تھے۔ اس پر ابن عباس نے کہا، ہوں گے، یہ امیر المومنین حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔

عائشہ نے کہا۔ میں نہیں مانتی۔

ابن عباس نے کہا، کب تک نہیں مانیں گی، آپ کا حال تو یہ ہے کہ نہ آپ کوئی حکم دیتی ہیں نہ منع کرتی ہیں۔ "نہ لیتی ہیں نہ دیتی ہیں"۔ اس پر عائشہ رونے لگیں۔ پھر فرمایا کہ میں خود ہی بہت جلد یہ شہر چھوڑنا چاہتی ہوں، جس شہر میں تم لوگ رہو اس سے زیادہ قابل نفرت شہر میرے لئے کوئی نہیں ہے[1]

علامہ ابن عبد ربہ کا کہنا ہے کہ عائشہ کی واپسی پر حضرت علیؑ نے بڑا اہتمام کیا، تمام ضروریات کی چیزیں ان کے ساتھ کیں اور ۴۰ یا ۷۰ عورتیں بھی کر دیں جو مدینہ تک ان کے ساتھ گئیں۔ طبری لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے انھیں جب مدینہ روانہ کیا تو تمام ضروریات کے ساتھ عورتوں کی ایک جماعت بھی روانہ کی اور بارہ ہزار درہم بھی بیت المال سے مرحمت کئے۔ مسعودی کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ نے عائشہ کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابوبکر اور ۲۰ عورتوں

---

[1] عقد الفرید ج ۴ ص ۳۲۸ - تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۳۱۲، مروج الذہب مسعودی برحاشیہ تاریخ کامل ج ۵ ص ۱۹۷

و ۳۰ مردوں کو عائشہ کے ساتھ مدینہ روانہ کیا۔ جو قبیلۂ عبدالقیس اور قبیلۂ ہمدان سے تھے۔

جنگ جمل کے نتائج

جنگ جمل ماہ جمادی الثانیہ ۳۶ھ ہجری (نومبر ۶۵۶ء) میں واقع ہوئی۔ مورخین نے اس جنگ کے ہولناک و عبرتناک نتائج پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ مقتولین کے بارے میں مختلف روائتیں ہیں۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ مجموعی طور پر اس جنگ میں تیس ہزار سے زیادہ افراد قتل ہوئے[1]

علامہ ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ کے بتیس ہزار (۲۰۰۰۰) اور حضرت علیؑ کی طرف کے پانچ سو افراد قتل ہوئے[2]

ابن اعثم کا کہنا ہے کہ حضرت علیؑ کی فوج کے ایک ہزار سات سو اور عائشہ کی فوج کے نو ہزار آدمی مقتول ہوئے اور طبری کی بعض روایتوں سے یہ تعداد چھ ہزار معلوم ہوتی ہے مگر مختلف مصدقہ روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ ام المومنین عائشہ کے تیس ہزار (۳۰۰۰۰) کے لشکر میں سے بیس ہزار اور حضرت علیؑ کی فوج میں ایک ہزار ستر (۱۰۷۰) افراد مقتول ہوئے۔

طبری وغیرہ نے اصحاب جمل سے روایت کی کہ ان کا کہنا ہے:۔

"جنگ کے دوران ہم لوگوں نے تیر چلائے اور جب وہ ختم ہو گئے تو نیزہ بازی کی یہاں تک کہ وہ ہمارے اور علوی لشکریوں کے سینوں میں اس طرح گتھ گئے کہ ان نیزوں پر سے لشکر گزر سکتا تھا[3]

عبد ربہ نے بعض لوگوں کا بیان نقل کیا ہے کہ جب میں دھوبیوں کے محلے سے گزرا اور کپڑوں کو تختوں پر پٹکنے کی آواز سنی تو مجھے جنگ جمل کی وہ تلواریں یاد آگئیں جو

---

[1] تاریخ یعقوبی حالات جمل [2] عقد الفرید ج ۴ ص ۳۲۶ [3] طبری ج ۵ ص ۲۱۸

لوگوں کے سروں پر پڑ رہی تھیں[1]

اس جنگ میں کتنے ہاتھ کٹے اور کتنی آنکھیں پھوٹیں اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

بہر حال اس جنگ کا ظاہری سلسلہ عائشہ کی شکست اور حضرت علیؑ کی فتح پر ختم ہوا لیکن اگر غور و فکر کی نگاہوں سے دیکھا جائے تو یہ جنگی تسلسل مدتوں جاری رہا اور اس جنگ سے جنگ صفین اور جنگ صفین سے جنگ نہروان نے جنم لیا اور نہروان کے بعد قتل و غارت گری کا یہی سلسلہ "بنی عباس" کے دور تک قائم رہا۔

اگر ام المومنین عائشہ اور طلحہ و زبیر میدان جمل میں نہ اترتے تو حضرت علیؑ کے مقابلہ میں معاویہ فوج کشی کی جسارت نہ کرتا۔ اسے یہ بہانہ مل گیا کہ وہ بھی "انتقام خون عثمان" پر اپنی خلافت کو موروثی بنانے کے لئے حضرت علیؑ سے جنگ چھیڑ دے جس کا راستہ حضرت عائشہ کی نسوانی اور ناقص حکمت عملی نے ہموار کر دیا تھا۔ معاویہ کا خیال تھا کہ جب ام المومنین قبیلۂ بنی تیم کی فرد ہو کر قصاص خون عثمان کے لئے حضرت علیؑ کے مقابلہ میں کھڑی ہو سکتی ہیں تو وہ کیوں نہیں کھڑے ہو سکتے جبکہ وہ عثمان کے ہم قبیلہ اور عزیز بھی تھے۔ یہی وہ مضبوط سیاسی حیلہ تھا جسے معاویہ نے جنگ کے جواز میں پیش کیا اور قصاص عثمان کے نام پر لوگوں کو بھڑکا کر جنگ صفین برپا کر دی۔ انھوں نے پہلے اپنے علاقائی اقتدار کا تحفظ کیا پھر خلیفۃ المسلمین بن بیٹھے۔

جنگ جمل اور صفین ہی کے نتیجے میں "خوارج فرقہ" کا وجود عمل میں آیا، جس نے نہروان میں علیؑ پر خروج کیا اور آگے چل کر یہی خوارج جملہ سلاطین مملکت کے لئے درد سر بنے، ہر حکومت سے برسرپیکار رہے۔ قتل و غارت گری ان کا شیوہ تھا، رہزنی اور ڈکیتی کو واجب سمجھتے تھے اور جا بجا چھاپے مار کر امن و امان کو درہم و برہم کیا کرتے تھے۔

خوارج اپنے علاوہ تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتے تھے۔ ان کا نظریہ تھا کہ حضرت عائشہ، طلحہ اور زبیر حضرت علیؑ سے لڑنے کے بعد کافر ہو گئے، علیؑ اس دن حق پر تھے لیکن تحکیم کے بعد (معاذ اللہ) وہ بھی حق پر نہیں رہے[2]

---

[1] عقد فرید ج ۴ ص ۳۲۰ [2] ملل و نحل شہرستانی ج ۱ ص ۱۵۸

ان جنگوں کا فطری اور لازمی نتیجہ یہ بھی ہونا تھا کہ مسلمان مختلف فرقوں میں تقسیم ہو جائیں چنانچہ یہی ہوا کہ مسلمانوں میں کچھ علوی ہو گئے، کچھ عثمانی ہوئے اور کچھ خوارج نیز اسی قسم کے اور فرقے جو ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے اور اعتقادی جنگ شروع ہو گئی۔

جنگ جمل کی روشنی میں حضرت علیؑ کا مثالی کردار

اس جنگ میں امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ علیہ السلام نے شروع سے آخر تک جس کردار کا مظاہرہ کیا وہ امن پسندی، صلح جوئی، بلند اور کریم النفسی کی زندہ مثال ہے۔ حالانکہ آپ کو عائشہ کے مہلک اور خطرناک فتنہ کو دبانے کے لئے ایک خونریز جنگ کا اس وقت سامنا کرنا پڑا جب حالات آپ کے لئے قطعی سازگار نہیں تھے لیکن اس کے باوجود آپ نے اس وقت تک ہاتھ نہیں اٹھایا اور نہ اپنے ہمنواؤں میں سے کسی کو اٹھانے دیا جب تک فریق مخالف کی طرف سے باقاعدہ جنگ کی ابتدا نہیں ہو گئی۔

امیر المومنین کے وارد بصرہ ہونے سے قبل ہی مخالفین نے آپ کے سینکڑوں دوستوں اور ہمنواؤں کو قتل کر دیا تھا۔ وہاں کے گورنر عثمان بن حنیف پر شبخوں مار کر عہد شکنی کے مرتکب ہو چکے تھے، بیت المال پر قبضہ کر لیا تھا اور قتل و غارت گری و دہشت گردی کے ذریعہ ہر طرف خوف و ہراس پیدا کر دیا تھا۔ ان ناروا باتوں سے حضرت علیؑ کے لئے جنگ کا جواز پیدا ہو چکا تھا مگر اس کے باوجود آپ کی کوشش یہی رہی کہ جنگ کے شعلے بھڑکنے نہ پائیں اور باہمی گفتگو کے ذریعہ عائشہ کے اس غلط اقدام کی اصلاح ہو جائے چنانچہ آپ نے عائشہ، طلحہ اور زبیر کو انتہائی نرم لہجہ میں سمجھایا اور انھیں جنگ کے ہولناک نتائج سے آگاہ کیا، مسلم مجاشعی کے ہاتھوں قرآن بھیج کر انھیں قرآنی احکام پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی۔ اور جب یہ تمام چیزیں بے اثر اور تمام کوششیں رائیگاں ہو گئیں اور جواب تیر و سنان کی زبان میں دیا جانے لگا تو بہت ہی مجبور ہو کر آپ نے جنگ کی اجازت دی اور صفوں کے مقابلہ میں صفیں جما کر اس طرح لڑے کہ دنیا پر ثابت کر دیا کہ جنگ سے

بچنے کی یہ تمام کوششیں بزدلی، کمزوری اور خوف و ہراس کی بنا پر نہیں تھیں بلکہ اتحاد، یکجہتی اور امن کو برقرار رکھنے نیز صلح وآشتی کی فضا پیدا کرنے کے لئے تھیں۔

امیرالمومنینؑ نے اپنے فوجیوں کو جن باتوں پر کاربند رہنے کا حکم دیا تھا وہ حسب ذیل تھیں۔

(۱) جنگ میں پہل نہ کی جائے (۲) کسی زخمی پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے اور کسی نے قدم نہیں بڑھایا۔ اور جب میدان میں خون کی موسلا دھار بارش ہونے لگی تو کسی زخمی پر ہاتھ نہیں ڈالا اور فوج مخالف شکست کھا کر بھاگ کھڑی ہوئی تو کسی نے کسی کا تعاقب نہیں کیا اور نہ ہی اس کے چھوڑے ہوئے مال واسباب کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ دینوری کا کہنا ہے:۔

"میدان جنگ میں سونا، چاندی اور دیگر ساز وسامان پڑا ہوا دیکھتے تھے مگر انھیں چھونے والا کوئی نہ تھا علاوہ فریق مخالف کے ہتھیاروں اور سواریوں کے جنھیں وہ جنگ کے موقع پر کام میں لا سکتے تھے[1]

دنیا کی جنگوں کا دستور رہے کہ جنگ کا فاتح فتحیابی وکامرانی کے نشہ میں سرشار ہوکر حریف افسروں کو بغاوت کے جرم میں گرفتار کر لیتا ہے یا موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے مگر امیرالمومنینؑ نے انتقامی کارروائی سے بالاتر ہوکر، اہل بصرہ میں سے جنھوں نے اس جنگ میں نمایاں کردار ادا کیا تھا کسی سے کوئی بازپرس نہیں کی یہاں تک عبداللہ ابن زبیر، مروان بن حکم، ولید بن عتبہ اور عبداللہ بن عامر ایسے غارت گران امن کو معاف کر دیا اور عائشہ کو جنھوں نے آپ کی مخالفت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا ان کے شایان شان حفاظتی انتظامات کے ساتھ مدینہ بھجوا دیا۔ بیت المال کو مرکز میں منتقل کرنے کے بجائے اپنے لشکریوں پر تقسیم کر کے یہ ثابت کر دیا کہ جنگ کا مقصد مال و دولت کی فراہمی نہیں ہے۔

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۵۱۔

جنگ جمل کی روشنی میں حضرت عائشہ

حضرت عائشہ جو عام مسلمانوں کے نزدیک ایک عالمہ اور محدثہ کا درجہ رکھتی ہیں، اس امر سے بخوبی واقف تھیں کہ خون عثمان کے قصاص کا انھیں کوئی حق نہیں ہے۔ درحقیقت یہ حق حکومت وقت کا ہے یا پھر مقتول کے وارثان کو یہ حق حاصل ہے۔

حضرت عائشہ جو مسلمانوں کے اقتدار کی مالک تھیں نہ عثمان کے ورثا میں شامل تھیں لیکن اس کے باوجود حکومت وقت سے ٹکرانے کے لئے میدان میں اتر آئیں اور انھوں نے مسلمانوں کی ایک عظیم جمعیت کو موت کے منھ میں جھونک دیا۔ حالانکہ پروردگار عالم نے انھیں اپنے گھر کی چہار دیواری میں قید رہنے کا حکم دیا تھا جیسا کہ قرآن میں ہے:۔

"اے رسول کی بیویو! اپنے گھروں میں بیٹھی رہو، زمانۂ جاہلیت کی طرح بن ٹھن کر نہ نکلو۔"

چنانچہ ام المومنین زینب بنت جحش اور ام المومنین سودہ نے اس قرآنی حکم کے احترام میں مدینہ سے باہر نکلنا گوارہ نہیں کیا اور زندگی بھر گھر کی چہار دیواری میں قید رہیں۔ اور یہ عورتوں کا شیوہ بھی نہیں ہے کہ وہ گھر کا گوشہ چھوڑ کر میدان کارزار میں پھاند پڑیں اور قتل وغارتگری کا بازار گرم کریں، خود عائشہ کا بیان ہے کہ میں نے پیغمبرؐ سے جہاد کی اجازت چاہی تو انھوں نے فرمایا کہ عورتوں کا جہاد حج ہے[1]۔

اور عائشہ ہی کا یہ قول بھی ہے کہ عورت کے ہاتھ میں چرخہ اس نیزے سے کہیں بہتر ہے جو راہ خدا میں لڑنے والے مجاہد کے ہاتھ میں ہوتا ہے[2]

لیکن لطف کی بات تو یہ ہے کہ ان تمام باتوں سے مطلع ہونے کے باوجود ام المومنین عائشہ مسلمانوں کی ایک بڑی جمعیت کے ہمراہ مکہ سے وارد بصرہ ہوئیں اور لشکر کی قیادت کرتے

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۱۰۱ [2] عقد فرید ج ۲ ص ۶

ہوئے میدان جنگ میں کود پڑیں۔ انھوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ اس اقدام کے نتیجے میں ہزاروں عورتوں کا سہاگ اجڑ جائے گا اور ہزاروں معصوم بچے یتیمی کی گود میں چلے جائیں گے۔ انھوں نے نتائج کی پروا کئے بغیر مسلمانوں کو مسلمانوں کی تلواروں کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا۔

اس جنگ میں اتلاف جان، قتل وغارت گری اور تباہی و بربادی کی پوری پوری ذمہ داری حضرت عائشہ پر عاید ہوتی ہے اور ان کے دور میں بھی لوگوں کے درمیان یہی تاثر تھا چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے (جس کے قبیلہ کے سینکڑوں آدمی اس جنگ میں مارے گئے تھے) حضرت عائشہ سے پوچھا کہ اے ام المومنین! آپ اس عورت کے بارے میں کیا فرماتی ہیں جس نے اپنے بچے کو مار ڈالا ہو؟ کہا:۔ وہ عورت دوزخ میں جائے گی۔ اس شخص نے پھر پوچھا کہ اس عورت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جس نے اپنے تیس ہزار جواں سال بیٹوں کو ایک ہی مقام پر قتل کر دیا ہو؟

یہ کلمات سن کر ام المومنین بھڑک اٹھیں اور فرمانے لگیں کہ اس خدا دشمن عورت کو دوزخ میں نہ جانے دینا[1]

بہرحال جمل کا معرکہ حضرت عائشہ کا کوئی قابل فخر کارنامہ نہیں تھا، اسے خود ان کے خاندان کے افراد بھی باعث ننگ و عار سمجھتے تھے۔ جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے:۔

"حضرت عائشہ نے ایک موقع پر اپنے بھتیجے ابن ابی عتیق سے کسی ضرورت کے تحت خچر مانگا تو انھوں نے جواب میں قاصد سے کہا کہ ام المومنین سے کہنا کہ ابھی تک تو ہم "یوم جمل" کا دھبہ نہیں دھو سکے اب کیا "یوم بغل" برپا کرنے کا ارادہ ہے[2]"

ابن ابی عتیق نے طنزاً یہ بات کہی تھی مگر یوم جمل کے بعد "یوم بغل" (خچر) بھی دنیا والوں نے دیکھ لیا، اس وقت جب امام حسن علیہ السلام کا جسد مبارک دفن کی غرض سے حجرۂ رسولؐ میں لایا گیا اور مروان بن حکم اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دفن میں مانع ہوا تو اس موقع پر عائشہ بھی خچر پر سوار اس کے ساتھ تھیں جیسا کہ معتزلی کا بیان ہے کہ "حضرت عائشہ اس دن

---

[1] عقد فرید ج ۳ ص ۱۰۸ [2] انساب الاشراف ج ۱ ص ۴۲۸

خچر پر سوار ہوئیں جو مروان اور اس کے ساتھیوں کو ابھار رہی تھیں[1]۔

اور محترمہ نے یہاں تک ابھارا کہ ستر تیر امامؑ کے جنازے میں پیوست ہو گئے۔

حضرت عائشہ قصاص خونِ عثمان کی آڑ میں حضرت علیؑ کے خلاف ایک عظیم لشکر فراہم کرنے پر اس وجہ سے قادر ہو گئیں کہ لوگوں کے دلوں میں ان کا بڑا احترام تھا، بڑی عزت و توقیر تھی اور لوگ ان کے مطیع و فرمانبردار تھے۔

حضرت عائشہ کو سیاست میں مہارت اور تقریر پر بھی عبور حاصل تھا وہ انتہائی فصیح و بلیغ گفتگو فرماتی تھیں، جس کا نمونہ وہ جواب ہے جو انھوں نے ام سلمیٰ کو دیا تھا جب ام سلمیٰ نے انھیں حضرت علیؑ کے خلاف خروج پر لعنت ملامت کی تھی تو انھوں نے فرمایا تھا کہ میں برسر پیکار دو جماعتوں میں صلح کرانے جا رہی ہوں۔ اسی طرح ان کا وہ فقرہ جو انھوں نے بصرہ میں مرید کے مقام پر جب طلحہ و زبیر کی تقریر کے بعد لوگوں میں اختلاف کے موقع پر کہا تھا کہ تم نے عثمان کو ان کی توبہ کرنے کے بعد مار ڈالا۔

ام المومنین سے یہ کون پوچھتا کہ آپ طلحہ و زبیر کے علاوہ عثمان کے قتل کا ذمہ دار اور کون ہے؟ اگر آپ نے مسلمانوں کو ورغلایا اور بھڑکایا نہ ہوتا یا ان کے قتل کا فتویٰ نہ دیا ہوتا تو یہ نوبت ہی کیوں آتی؟

پھر آپ نے اپنے دل کا راز اگلتے ہوئے فرمایا تھا کہ اے مسلمانو! تم نے ابن ابی طالب کی بیعت بغیر رائے مشورے کے زبردستی اور غصبی طور پر کر لی ہے، اس خلافت کو پھر شوریٰ پر رکھو اور شوریٰ کے ممبران وہ ہوں جنھیں عمر نے منتخب کیا تھا لیکن اس شوریٰ میں اسے شامل نہ کرو جس نے عثمان کے قتل میں شرکت کی ہو۔!

عائشہ کی تقریری گفتگو کا یہ حصہ ان کے زبردست سیاسی تدبیر کا پتہ دیتا ہے ان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت علیؑ خلافت سے محروم ہو جائیں کیونکہ اس وقت ممبران شوریٰ میں صرف چار افراد یعنی علیؑ، طلحہ، زبیر اور سعد ابن ابی وقاص باقی تھے اور حضرت علیؑ پر چونکہ انھوں نے

---

[1] شرح ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۱۷۔

قتل عثمان کی تہمت عائد کی تھی لہٰذا وہ شوریٰ میں دوبارہ شریک نہ کئے جاتے اب رہ گئے سعد تو ان کو بھی ہضم کر دینا ان کے لئے بہت آسان تھا لہٰذا ان دونوں کے بعد صرف طلحہ اور زبیر باقی رہ جاتے ہیں اور انھیں میں سے کوئی ایک خلیفہ ہو جاتا اور اگر بالفرض طلحہ و زبیر کے ساتھ علیؑ کو بھی شوریٰ میں شامل ہونے کی اجازت مل جاتی تو بھی وہ تنہا ایک طرف ہوتے اور طلحہ و زبیر ایک طرف جیسا کہ عمر نے بہ ضابطہ معین کر دیا تھا کہ جدھر زیادہ افراد ہوں گے ادھر ہی خلافت رہے گی، اسی بنا پر خلافت طلحہ او زبیر میں ہی منحصر ہوتی اور عثمان کو قتل کرانے اور حضرت علیؑ کے خلاف ہنگامہ برپا کرنے کی اصل غرض بھی یہی تھی۔

طلحہ اور زبیر کا موقف

جنگ جمل سے وابستہ طلحہ و زبیر کا موقف بھی حضرت عائشہ کے موقف سے کم نہیں تھا۔ ان لوگوں نے بصرہ پہنچتے ہی قصاص عثمان کے نام پر قتل عام شروع کر دیا اور بغیر یہ سوچے کہ کون مجرم ہے کون مجرم نہیں ہے سب کو تلوار کی باڑھ پر رکھ لیا، حالانکہ ان لوگوں کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ اہل بصرہ کو قصاصاً قتل کرتے جیسا کہ ہم تحریر کر چکے ہیں کہ یہ حق صرف مقتول کے وارثان یا حکومت کا ہوتا ہے۔ طلحہ و زبیر نہ تو خلیفۂ وقت تھے اور نہ عثمان کے قرابت دار کہ بربنائے قرابت داری انھیں یہ حق حاصل ہوتا۔ پھر حیرت اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ یہی لوگ بیعت شکنی کو جائز اور اپنے اس جارحانہ اقدام کو درست سمجھتے ہوئے حضرت علیؑ کو قتل عثمان کا ذمہ دار قرار دے رہے تھے۔ حالانکہ یہ انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ قتل عثمان کے سلسلے میں حضرت علیؑ کا موقف کیا تھا اور خود ان کا اپنا طرز عمل کیا تھا۔

جیسا کہ امیر المومنین کا ارشاد ہے کہ:۔

"خدا کی قسم طلحہ و زبیر اور عائشہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ باطل

پر ہیں اور میں حق پر ہوں[1]"

اگر یہ لوگ حقیقتاً امیر المومنین کو قتل عثمان کا ذمہ دار سمجھ رہے تھے تو انھیں چاہئے تھا کہ بیعت سے پہلے یہی آواز اٹھاتے مگر نہ قتل عثمان کے موقع پر اور نہ سانحۂ قتل اور بیعت کے درمیانی مدت میں ان لوگوں نے کوئی آواز بلند کی نہ حضرت علیؑ پر کوئی الزام عائد کیا اور نہ ہی قتل کا ذمہ دار ٹھہرایا، جیسا کہ عقد الفرید میں ہے کہ:۔

"کسی نے حضرت علیؑ پر قتل عثمان کی تہمت نہیں لگائی یہاں تک کہ ان کی بیعت ہوئی اور جب بیعت ہو چکی تو کچھ لوگوں نے انھیں متہم کرنا شروع کر دیا[2]"

ان متہم کرنے والوں کے سرغنہ یہی طلحہ و زبیر تھے اور ان کی زبانیں بھی اس وقت کھلیں جب ان کے مفادات پر ضرب لگی اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے انھیں کوفہ و بصرہ کی حکومت دینے سے انکار کر دیا۔

اگر ان حضرات کی قصاص طلبی میں ہمدردی اور خیر خواہی کا کوئی جذبہ تھا تو اسے قتل کے موقع پر ظاہر ہونا چاہئے تھا اور حضرت علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بجائے ان سے قصاص کا مطالبہ کرنا چاہئے تھا مگر یہ لوگ اس وقت تک تو خاموش رہے جب تک انھیں ادارات کی امید و توقع رہی اور جب ادھر سے مایوسی ہوئی تو قصاص کیلئے کھڑے ہو گئے تاکہ اس قصاص کی آڑ میں اپنے اقتدار کا راستہ ہموار کر سکیں۔

واقعات کی روشنی میں بغیر تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس شورش اور ہنگامہ آرائی کا مقصد صرف حصول اقتدار تھا چنانچہ ان لوگوں نے بیعت توڑ کر دوسروں کو بیعت شکنی پر ابھارا اور حکیم بن جبلہ سے کھلے الفاظ میں کہا کہ جب تک عثمان بن حنیف حضرت علیؑ کی بیعت نہیں توڑیں گے انھیں رہا نہیں کیا جائے گا۔ اور خود حضرت علیؑ کے سامنے بھی اس امر کا اظہار کیا کہ وہ انھیں خلافت کا اہل نہیں سمجھتے۔ اور سعید ابن عاص سے یہ بھی واضح کر دیا کہ ہم عثمان کے بیٹوں میں سے کسی کو خلیفہ نہیں بنائیں گے

[1] استیعاب ج ۲ ص ۲۱۴ [2] عقد الفرید ج ۳ ص ۹۳

بلکہ ہم دونوں (طلحہ و زبیر) میں سے جسے لوگ منتخب کریں گے وہی خلیفہ ہوگا اور یہی وجہ تھی کہ ان لوگوں نے پہلے قتل عثمان کا بندوبست کیا اور ان کے قتل کے بعد ام المومنین عائشہ کی عملی تائید کے سہارے امیر المومنین حضرت علی سے مقابلہ پر اتر آئے۔

بہر حال۔ وہ ام المومنین عائشہ ہوں یا طلحہ و زبیر۔ ان کے اس اقدام کا نہ کوئی شرعی جواز ہے اور نہ اخلاقی، ان کی شخصیتیں کتنی ہی اہم سہی مگر جرم بہر حال جرم ہوتا ہے خواہ اس کا مرتکب کوئی بھی ہو۔ ان لوگوں نے ایک ایسا خونریز اقدام کیا جس سے نہ انکار کی کوئی گنجائش ہے اور نہ کشت و خون کی ذمہ داری سے انھیں بری کیا جا سکتا ہے۔

عبداللہ ابن زبیر

عبداللہ، حضرت عائشہ کی حقیقی بہن اسماء بنت ابوبکر کے بیٹے تھے۔ عائشہ انھیں بے حد چاہتی تھیں، ان کے دل میں عبداللہ کی محبت ایسی تھی جیسی کہ کسی ماں کے دل میں اکلوتے بیٹے کی ہوتی ہے۔ انھیں عبداللہ کے نام پر آپ کی کنیت "ام عبداللہ" پڑی۔ ہشام بن عروہ کا بیان ہے کہ میں نے عائشہ کو جیسی دعا ابن زبیر کے حق میں کرتے سنی ویسی کسی دوسری مخلوق کے لئے نہیں سنی۔

"ایک بار عائشہ بیمار ہوئیں تو عبداللہ انھیں دیکھنے آئے اور ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگے، عائشہ نے ان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تو بدحواس ہو گئیں اور خود بھی رونے لگیں اور فرمایا کہ اے عبداللہ! تم سے بڑھ کر دنیا میں مجھے کوئی بھی عزیز نہیں ہے[1]"

[1] تہذیب ابن عساکر ج ۴ ص ۴۰۰ و ۴۰۲، شرح نہج البلاغہ ج ۴ ص ۴۴۲ و ۴۴۳

"جنگ جمل میں جب مالک اشتر نے انھیں "ادھ موا" کر کے ڈال دیا اور یہ شدید زخمی ہوئے تو عائشہ اس وقت تک بے قراری کے بستر پر کروٹیں بدلتی رہیں جب تک انھیں عبداللہ کے زندہ بچ جانے کی اطلاع نہیں ملی۔ تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ ام المومنین نے اس شخص کو دس ہزار درہم دئے جس نے ان کے زندہ بچ جانے کی خوشخبری سنائی تھی[1]"

"حضرت عائشہ نے انھیں عبداللہ کو اپنے حجرے میں دفن کرنے کی وصیت بھی کی تھی۔ یہ وہی حجرہ تھا جس میں فرزند رسولؐ امام حسنؑ کو انھوں نے دفن نہ ہونے دیا[2]"

عبداللہ کی پرورش اور نشو و نما بچپن ہی سے عداوت اور نفرت کی آغوش میں ہوئی یہ بنی ہاشم خصوصاً آل محمدؐ کے سخت ترین دشمن تھے۔ انھیں کا کارنامہ تھا کہ اپنے باپ زبیر کو بھی انھوں نے حضرت علیؑ کا دشمن بنا دیا۔

امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے کہ:۔

"زبیر اس وقت تک ہم اہلبیتؑ کے بہی خواہ رہے جب تک کہ ان کا منحوس بیٹا عبداللہ جوان نہیں ہوا[3]"

"عبداللہ کی آل محمدؐ سے عداوت اس انتہا کو پہنچی ہوئی تھی کہ انھوں نے اپنے زمانۂ خلافت میں چالیس جمعہ (نماز کے موقع پر) پیغمبر اسلام پر درود نہیں بھیجا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس سے رسولؐ کے گھرانے کی ناک اونچی ہوتی ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ انھوں نے جمعہ میں درود نہ بھیجنے کی وجہ یہ بیان کی کہ رسولؐ کے گھر والے درود میں ان کا نام سن کر اپنا سر بلند کریں گے[4]"

[1، 2] تہذیب ابن عساکر ج ۴ ص ۴۰۰ و ۴۰۲، شرح نہج البلاغہ ج ۴ ص ۴۴۲ و ۴۴۳۔

[3] مروج الذہب مسعودی برحاشیہ تاریخ کامل ج ۵ ص ۱۶۳ و ۱۶۴، تاریخ یعقوبی ج ۳ ص ۸۰۔

"ابن عباس سے ایک مرتبہ عبداللہ ابن زبیر نے کہا کہ میں چالیس برس سے اہل بیت کی عداوت اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہوں انھیں حضرت علی سے خصوصی اور پیدائشی عداوت تھی اور یہ امیر المومنین کو برا بھلا کہا کرتے تھے[1]"

"یہی عبداللہ ابن زبیر تھے جنھوں نے ابن عباس، محمد بن حنفیہ اور سترہ بنی ہاشم کے افراد کو مکہ کے "شعیب عارم" میں محصور کر کے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ سبھوں کو زندہ جلا دیں اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے انھوں نے لکڑیاں بھی اکٹھا کر لی تھیں، جناب مختار کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو انھوں نے چار ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ روانہ کیا جو انتہائی تیزی سے منزلیں طے کرتا ہوا مکہ آیا اور اس نے ان لوگوں کی جان بچائی۔[2]"

مگر عبداللہ ابن زبیر کے دل میں خانوادۂ بنی ہاشم سے دشمنی کی جو آگ بھڑک رہی تھی وہ بدستور بھڑکتی رہی انھوں نے ایک اور کوشش یہ کہ محمد بن حنفیہ اور ان کے ساتھ تمام بنی ہاشم کو اکٹھا کیا اور انھیں قید کر کے قید خانہ میں لکڑیاں بھروا دیں اور ان میں آگ لگا دی اس مرتبہ ابو عبداللہ جدلی عین وقت پر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ موقع پر پہنچ گئے اور بڑی کوششوں کے بعد آگ پر قابو حاصل کر کے ان لوگوں کو رہا کرایا[3]

یہی وہ عبداللہ ابن زبیر تھے جنھوں نے اپنے باپ کے خیالات کو تبدیل کر کے انھیں حضرت علیؑ کا دشمن بنایا، طلحہ وغیرہ کے ساتھ مل کر عائشہ کو مجبور کیا کہ وہ علیؑ سے جنگ کریں۔ عائشہ کے دل میں علیؑ کی طرف سے عداوت و کدورت پہلے ہی سے تھی ابن زبیر کی تحریک و ترغیب نے انھیں پوری طرح آمادۂ قتال کر دیا۔

مورخین کا کہنا ہے کہ جب عائشہ نے حوأب پر کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی تو

---

[1] مروج الذہب ج ۵ ص ۱۶۳ و ۱۶۴، تاریخ یعقوبی ج ۳ ص ۸۷۷ شرح نہج البلاغہ ج ۱ ص ۳۵۷، ۳۵۸ ۔ [2] تہذیب ج ۷، ص ۸ - ۹ مروج الذہب ج ۵ ص ۱۵۹ [3] آغانی ج ۹ ص ۱۶

تو انھیں پیغمبرؐ کی حدیث یاد آگئی اور انھوں نے چاہا کہ یہیں سے واپس لوٹ جائیں ابن زبیر نے انھیں اطمینان و یقین دلایا کہ جس نے اس مقام کو حوأب بتایا ہے وہ جھوٹ بولا ہے یہ حوأب نہیں ہے اور اس قدر بضد ہوئے کہ عائشہ سے اپنے جھوٹ کو منوا کر انھیں پیش قدمی کے لئے مجبور کر دیا۔

ان تمام حقائق و شواہد کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں جنگ جمل کے بانیان میں عبداللہ ابن زبیر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا

حضرت عائشہ کی ندامت

علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ ایک دن ام المومنین عائشہ کے سامنے یوم جمل کا تذکرہ چھڑا تو عائشہ نے پوچھا کہ کیا اس دن کو لوگ "یوم جمل" کے نام سے یاد کرتے ہیں؟ لوگوں نے کہا "جی ہاں" اس پر حضرت عائشہ نے فرمایا کہ کاش میں بھی اس روز پیغمبرؐ کی دوسری بیویوں کی طرح گھر میں بیٹھی رہتی ..... پھر فرمایا کہ اگر رسولؐ اللہ کے صلب سے عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمان بن حارث کے ایسے دس بیٹے میرے پیدا ہو جاتے تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی گھر میں بیٹھ کر ہوتی[1]

مسروق سے روایت ہے کہ عائشہ جب قرآن مجید کی وہ آیت پڑھتیں جس میں کہا گیا ہے کہ اے ازواج پیغمبرؐ اپنے گھروں میں بیٹھی رہنا تو اتنا روتیں کہ ان کی چادر آنسوؤں سے تر ہو جاتی[2]

"بلاغات النساء" میں ہے کہ واقعۂ جمل کے بعد عائشہ ہر وقت مضطرب و پریشان رہنے لگی تھیں، لوگوں نے پوچھا کہ آپ تو ام المومنین ہیں آپ پر اس قدر

---

[1] اسد الغابہ ج ۴ ص ۲۸۴ و طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۱ [2] طبقات ابن سعد ج ۸، ص ۵۶ طبع لیدن۔

اضطرابی کیفیت کیوں طاری رہتی ہے؟ فرمایا: "یوم جمل" میرے گلے میں اٹکا ہوا ہے، کاش اس دن سے پہلے ہی مرگئی ہوتی یا پھر اس دن کے لئے پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی[1]

"حضرت عائشہ نے (اپنی کسی بیماری کے موقع پر) بطور وصیت لوگوں سے کہا کہ رسولؐ اللہ کے بعد میں نے "نئے نئے کام" کئے ہیں لہٰذا اگر میں مر جاؤں تو مجھے رسولؐ اللہ کے پاس دفن نہ کرنا۔"

ذہبی کا کہنا ہے کہ "نئے کاموں" سے عائشہ کی مراد جنگ جمل میں ان کی شرکت ہے[2]

عہد معاویہ اور عائشہ

معاویہ ابن ابوسفیان اور حضرت عائشہ کے کردار و عمل میں حیرت انگیز حد تک ہم آہنگی، یکسانیت اور مشابہت نظر آتی ہے۔ جس طرح معاویہ۔ امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے ازلی و جانی دشمن تھے، اسی طرح عائشہ حضرت علیؑ کی ازلی مخالف اور جانی دشمن تھیں۔

جس طرح معاویہ۔ امیر المومنین سے تمام عمر برسرپیکار رہے، اسی طرح عائشہ بھی ہمیشہ علیؑ سے لڑتی رہیں، جس طرح معاویہ کے دل میں ابوترابؑ کے خلاف آتش بغض و عناد بھڑکتی رہی، اسی طرح عائشہ کے دل میں بھی ہمیشہ عداوت و نفرت کا جوالا مکھی بھڑکتا رہا، جس طرح شہادت امیر المومنینؑ کے بعد معاویہ نے حضرت علیؑ پر منبروں سے تبرا اور سب و شتم کرا کے اپنے دل کی بھڑاس نکالی اسی طرح عائشہ نے حضرت علیؑ کی خبر شہادت سن کر شکر کا سجدہ کیا اور طربیہ اشعار کے ذریعہ خوشی کے گیت گا کر اپنے دل کو ٹھنڈا کیا[3]

---

[1] بلاغات النساء ص ۸ و تذکرۂ خواص الامہ [2] النبلاء ج ۲ ص ۱۳۴، مستدرک حاکم ج ۴ ص ۶

یہ وہ مشترکہ خصوصیات تھیں جنھوں نے معاویہ اور عائشہ کی درمیانی قربتوں میں ایسی ہم آہنگی اور نزدیکی پیدا کر دی کہ معاویہ اور اس کے حکام و عمال کی نظر میں عائشہ کی قدر و منزلت اپنی معینہ حدوں کو عبور کر گئی۔ چنانچہ اس کے عہد میں جب تک عائشہ کا اقبال و احترام برقرار رہا حکومت کی طرف سے ان پر خصوصی عنایات، نوازشات اور مراعات کی بارش ہوتی رہی۔ عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ معاویہ، حضرت عائشہ کا بڑا خیال رکھتے تھے انھوں نے ایک موقع پر انھیں ایک لاکھ درہم دیے[1]

اور ابن کثیر نے عطا سے روایت کی ہے کہ جب عائشہ مکہ میں تھیں تو معاویہ نے ان کے پاس ایک ہنسلی بھیجی جس کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی[2]

ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ نے ایک شخص جس کا نام منکدر بن عبداللہ سے فرمایا کہ اگر میرے پاس ہوتے تو میں تمھیں دس ہزار درہم دے دیتی۔ یہ بات معاویہ کو معلوم ہوئی تو انھوں نے اسی دن شام سے قبل عائشہ کے پاس ایک بڑی رقم بھیج دی اور آپ نے منکدر کو دس ہزار درہم دیئے جس سے انھوں نے ایک کنیز خریدی[3]

ابن کثیر نے سعد بن عزیز سے روایت کی ہے کہ معاویہ نے حضرت عائشہ کا اٹھارہ ہزار اشرفیوں کا قرضہ ادا کیا۔

اسی طرح بنی امیہ کے تمام دولت مند اور سرمایہ دار حضرت عائشہ کا خاص خیال رکھتے تھے اور درہم و دینار کے ساتھ مختلف قسم کے تحائف ان کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے[4]

لیکن یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا۔ معاویہ اور عائشہ کے درمیان

---

[1] ابن کثیر ج، ص ۱۳۶، مستدرک ج ۴ ص ۱۳، حلیۃ الاولیاء ابونعیم ج ۲ ص ۴۷
[2] ابن کثیر ج، ص ۱۳۷ [3] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۸ [4] مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۷۷ و ۲۵۹۔

اختلافات نے سر اٹھایا اور عنایات و مراعات کے وہ عارضی بادل جو کریمانہ انداز میں عائشہ کے سر پر برسا کرتے تھے مخالفت کی ہوائیں چلتے پھرتے نظر آنے لگے۔

مخالفت کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ معاویہ نے جب خلافت کو خاندانی میراث بنانے کی جدوجہد شروع کی تو انھیں مسلمانوں کی طرف سے شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ ان کے خصوصی اصحاب اور ہر وقت کے پاس بیٹھنے والے بھی خلاف ہوگئے چنانچہ عائشہ نے بھی مخالفین کی مکمل تائید و ہمنوائی کی جس کے نتیجہ میں تعلقات خراب ہوئے۔ مگر طبری کا بیان ہے کہ دونوں کے درمیان پہلی تلخی صحابئ رسولؐ حجر کے قتل سے پیدا ہوئی۔

وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"حضرت عائشہ نے حجر اور ان کے اصحاب کی سفارش کے ساتھ عبدالرحمان بن حرث بن ہشام کو معاویہ کے پاس بھیجا عبدالرحمان اس وقت پہنچے جب معاویہ حجر اور ان کے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکے تھے۔

حضرت عائشہ اس حادثے پر برہم، رنجیدہ اور ملول ہوئیں چنانچہ وہ اکثر کہا کرتی تھیں کہ کاش ایسا نہ ہوا ہوتا جب ہم کسی چیز کو بدلنا چاہتے ہیں تو پہلے سے زیادہ مشکلوں میں پڑ جاتے ہیں۔ خدا کی قسم ہم حجر کے قتل کو ضرور متغیر کر دیتے جہاں تک میں سمجھتی ہوں حجر ایک پکے مسلمان اور حج وعمرہ بجالانے والے تھے[1]

حضرت عائشہ کا یہ جملہ کہ "جب ہم کسی چیز کو بدلنا چاہتے ہیں تو پہلے سے زیادہ مشکلوں میں پڑ جاتے ہیں" انتہائی معنی خیز اور غور طلب ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ عائشہ نے عثمانی حکومت کا تختہ الٹنا چاہا جس کے نتیجہ میں عثمان قتل ہوگئے اور ان کے بعد مسلمانوں نے بالاتفاق حضرت علیؑ کو خلیفہ منتخب کر لیا جن کی خلافت عائشہ کے لئے سخت ترین مصیبت تھی پھر آپ نے حضرت علیؑ کی خلافت کو الٹنا چاہا تو جنگ جمل میں

[1] طبری ج ۶ ص ۱۵۶

طلحہ مارے گئے جنھیں وہ خلیفہ کے روپ میں دیکھنا چاہتی تھیں، زبیر قتل ہوئے جو آپ کے حقیقی بہنوئی تھے اب دھڑکا یہ تھا کہ معاویہ کی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کروں تو اس کا نتیجہ اس سے کہیں زیادہ برا نہ نکلے۔ اسی لئے انھوں نے اپنے غم و غصہ کو ضبط کیا اور خاموش رہیں۔

جب معاویہ یزید کی بیعت کے سلسلے میں وارد مدینہ ہوئے اور ام المومنین عائشہ سے انھوں نے ملاقات کی تو سب سے پہلی گفتگو جو معاویہ اور عائشہ کے درمیان ہوئی وہ حجر کے بارے میں تھی اس گفتگو نے تلخی کے ساتھ یہاں تک طول کھینچا کہ معاویہ کو کہنا پڑا۔

"میرے اور حجر کے معاملے کو چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ روز قیامت ہم دونوں اپنے رب سے ملیں[2]"

یہ گفتگو تلخی اور تردّد کی فضا میں تمام ہوئی اور یہیں سے اختلافات کی خلیج اور بھی وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔ پھر حضرت عائشہ کے حقیقی بھائی عبدالرحمان بن ابی بکر کا واقعہ پیش آیا جنھوں نے بیعت یزید کی مخالفت کی اور اس کے فوراً بعد ناگہانی طور پر ختم کر دیے گئے بخاری کا کہنا ہے کہ جب عبدالرحمان نے یزید کی بیعت کی مخالفت کی اور معاویہ و یزید کو برا بھلا کہا تو مروان نے انھیں گرفتار کرنا چاہا مگر وہ بھاگ کر عائشہ کے گھر میں گھس گئے[3]

کچھ مورخین کا بیان ہے کہ جب لوگوں کو یزید کی بیعت پر آمادہ کرنے کے لئے مروان تقریر کر رہے تھے تو عبدالرحمان بن ابوبکر اٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا کہ تو بھی جھوٹا ہے اور معاویہ بھی تم لوگ خلافت کو ہرقلی حکومت بنانا چاہتے ہو کہ ایک ہرقل کے مرنے پر دوسرا ہرقل اس کا جانشین ہو جائے[4]

[1] طبری ج ۶ ص ۱۵۶ [2] استیعاب ج ۱ ص ۱۳۴ و اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۸۶ [3] بخاری ج ۳ ص ۱۲۶ [4] تاریخ کامل ۳ ص ۱۹۹ تاریخ ابن کثیر ج ۴ ص ۲۳۶ و ج ۸ ص ۸۹، استیعاب، اسد الغابہ، اصابہ حالات حکم بن العاص۔

یہ وہ اختلافی معرکہ تھا جس کے نتیجہ میں حضرت عائشہ کو اپنے حقیقی بھائی سے ہاتھ دھونا پڑا اور اختلافات کے شعلے کوہ آتش فشاں بن گئے لیکن چونکہ ام المومنین میں اتنی سکت اور طاقت نہیں رہ گئی تھی کہ وہ بنی امیہ سے جنگ کے لئے جنگلوں اور بیابانوں کی خاک چھانتیں۔ لہٰذا انھوں نے زبانی جنگ کا سہارا لیا اور بد دعاؤں کے راکٹوں سے بنی امیہ پر حملہ آور ہوگئیں، انجام یہ ہوا کہ معاویہ کی سفاکی نے انھیں موت کے منھ میں جھونک دیا۔

حضرت عائشہ کا عبرتناک انجام

معاویہ سے مخالفت، حضرت عائشہ کو راس نہ آسکی اور انھیں انتہائی عبرتناک والمناک انجام سے دوچار ہونا پڑا۔ صاحب حبیب السیر تاریخ حافظ ابرو، ربیع الابرار اور کامل السفینہ کے معتبر حوالوں سے رقم طراز ہیں کہ جب معاویہ ابن ابوسفیان اپنے فاسق و فاجر بیٹے یزید کی بیعت کے لئے مدینہ آیا اور حضرت عائشہ سے ملا تو انھوں نے خوب کھری کھری سنائی اور اس کے اس اقدام پر لعنت ملامت کی جس پر معاویہ نے ام المومنین کا قصہ ہی تمام کر دینے کا منصوبہ تیار کیا اور اپنی قیام گاہ کے صحن میں ایک گہرا کنواں کھدوایا اور اس کنویں کے دہانے کو خس و خاشاک سے منڈھ کر اس پر آبنوس کی ایک خوبصورت کرسی رکھوا دی۔ جب یہ سب کچھ ہو چکا تو دوسرے دن اس نے ام المومنین کو نہایت ادب و احترام سے دعوت پر مدعو کیا۔

ام المومنین تشریف لائیں تو ان سے معاویہ نے اسی کرسی پر بیٹھنے کی درخواست کی جو معظمہ کے لئے مخصوص کی گئی تھی۔ عائشہ نے جیسے ہی کرسی کی طرف قدم بڑھایا ویسے ہی کنویں کے اندر چلی گئیں۔ ام المومنین کے گرتے ہی معاویہ نے کنویں میں چونا بھروا دیا۔ جب ام المومنین خاک ہوگئیں تو اس نے کنویں کو بند کرا دیا اور مکہ کی طرف روانہ ہوگیا[1] (حاشیہ صفحہ ۱۷۱ پر)

بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ام المومنین عائشہ کا انتقال علالت کی وجہ سے ہوا اور وہ بقیع میں مدفون ہوئیں۔ اس اختلاف کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ بعد میں معاویہ کو اس سنگین جرم سے بری کرنے کے لئے یہ روایت گڑھی گئی ہے۔

حضرت عائشہ کے متعلق مسلمانوں کے مختلف نظریات

حضرت عائشہ کے بارے میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے جو عقائد و نظریات ہیں ان کی ہلکی سی جھلک گزشتہ صفحات میں پیش کی جا چکی ہے۔ کسی نے انھیں معصوم سمجھا ہے، کسی نے امام وقت کے خلاف خروج کرنے پر انھیں خطاکار، گنہگار اور کافر قرار دیا ہے۔ ایک گروہ آج تک کش مکش میں مبتلا ہے جو ان کے بارے میں لب کشائی کرنا ہی نہیں چاہتا اور ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ ام المومنین نے جو کچھ کیا وہ بھی درست اور امیر المومنینؑ نے جو کیا وہ بھی درست، یہ بھی راہِ صواب پر اور وہ بھی راہِ صواب پر!!

ان مختلف عقائد و نظریات میں جو تضاد اور افراتفری ہے اسے معمولی عقل والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔ اگر ان تمام عقائد و نظریات کی روشنی میں منصفانہ نظر سے دیکھا جائے تو جتنا عادلانہ نظریہ شیعہ فرقے کا ہے اتنا کسی بھی فرقے کا نہیں ہے۔ شیعوں نے عائشہ کے بارے میں میانہ روی اختیار کی ہے ان کا کہنا ہے کہ حضرت عائشہ معصوم نہ تھیں جس طرح صحابۂ کرام میں کچھ لوگ خاطی اور منافق تھے اور ان سے تاریخی لغزشیں سرزد ہوئیں اسی طرح ام المومنین عائشہ نے بھی عثمان کے خلاف لوگوں کو ان کے قتل پر آمادہ و برانگیختہ کیا اور جب وہ قتل ہوگئے تو انتقام کے بہانے سے حضرت علیؑ پر خروج کر کے بہت بڑی خطا کی۔ پروردگار عالم گناہوں اور خطاؤں کا بخشنے والا ہے اگر ام المومنین نے صدق دل سے توبہ کی ہوگی تو ان کا معاملہ عدالت سے

[1] تاریخ حبیب السیر حالات ازواج رسولؐ ج ۱ جز ۳ ص ۱۴۷ مطبوعہ طہران ۱۲۷۱ہجری

طے ہوگا۔ کم وبیش یہی نظریہ خوش عقیدہ محققین علمائے اہلسنت کا بھی ہے وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ام المومنین سے خطا سرزد ہوئی مگر اس خطا کو خطائے اجتہادی سے تعبیر کرتے ہیں اور خطائے اجتہادی کے بارے میں علمائے اہل سنت کے مفروضات یہ ہیں کہ کتنی ہی بڑی خطا کیوں نہ ہو خطائے اجتہادی کے سبب سے اجر و ثواب کی حامل ہے۔

شیعوں کا نظریہ یہ ہے کہ برائیوں اور دانستہ غلطیوں اور خطاؤں میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حضرت علیؑ امام وقت اور واجب الاطاعت تھے متفقہ طور پر ان کی بیعت ہو چکی تھی اور تمام مسلمانوں نے انھیں اپنا پیشوا تسلیم کر لیا تھا ایسی صورت میں ان کے خلاف خروج کو بغاوت سے تو تعبیر کیا جا سکتا ہے مگر اجتہاد ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔

جہاں تک عائشہ کے ام المومنین ہونے کا سوال ہے اس سے کوئی شیعہ انکار نہیں کرتا۔ بے شک وہ مسلمانوں کی ماں ہیں۔ اور مسلمانوں کی ماں ہونے کی حیثیت سے ان کا جو احترام ہونا چاہیئے اس میں شیعہ فرقہ دیگر مسلمانوں سے پیچھے نہیں ہے۔

شیعہ فرقے کا عقیدہ ہے کہ نبیؐ کی زوجہ کافرہ تو ہو سکتی ہے مگر بدچلن و بدکار نہیں ہو سکتی جیسے کہ حضرت نوحؑ اور لوطؑ کی بیویاں تھیں۔ اسی لئے شیعہ ام المومنین کو وہ درجہ نہیں دیتے جو حقیقت سے بے خبر عام مسلمان دیتے ہیں۔

ازواج نبیؐ کے بارے میں کسی بھی خصوصی فضیلت و منزلت کا تذکرہ قرآن مجید میں نہیں ہے علاوہ اس کے کہ پیغمبرؐ کی بیویاں تمھاری مائیں ہیں۔

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں تمام مفسرین کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ طلحہ ابن عبیداللہ نے جو ابوبکر کے خاندانی اور قریبی رشتہ دار تھے، اپنے اس ارادے کا اظہار کیا تھا کہ پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد عائشہ سے نکاح کر لیں گے، خدا کو طلحہ کی یہ جسارت ناگوار ہوئی اور اس نے آیت "ازواجہ امہاتھم" کے ذریعہ طلحہ اور ان کے جیسے دیگر افراد کی امنگوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔

ظاہر ہے کہ اس آیت کے ذریعہ ازواج رسولؐ کی فضیلت کا اظہار مقصود نہ تھا

بلکہ کچھ لوگوں کی نفسانی خواہشوں کو خاک میں ملانا تھا۔ اس کی تائید ام المومنین کے اس جملے سے ہوتی ہے کہ جب کسی عورت نے انھیں "ماں" کہہ کر پکارا انھوں نے فرمایا کہ "ہم مردوں کی ماں ہیں عورتوں کی نہیں" اور اس دلیل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ ازواج پیغمبر مسلمانوں کی مائیں ہونے کے باوجود ان سے اسی طرح پردہ کرتی تھیں جس طرح کہ نامحرموں سے کیا جاتا ہے۔ یہی پردہ بتاتا ہے کہ وہ حقیقتاً مسلمانوں کی مائیں نہ تھیں بلکہ انھیں اس لئے ماں قرار دیا گیا تھا تاکہ کوئی شخص ان سے نکاح نہ کر سکے۔

بہر حال اس آیت کا مقصد، ازواج رسولؐ سے نکاح کی ممانعت کے دائرے میں محدود ہے اس کے علاوہ کوئی فضیلت اس آیت سے ظاہر نہیں ہوتی۔

خداوند عالم نے قرآن مجید میں جا بجا نبی کی بیویوں کو متنبہ بھی کیا ہے، مثلاً نوحؑ اور لوطؑ کی بیویوں کی مثال پیش کرتے ہوئے پروردگار نے فرمایا کہ یہ دونوں ہمارے دو نیک بندوں کی زوجیت اور تصرف میں تھیں اور دونوں نے خیانت کی تو ان کے شوہر جو نبی تھے خدا کے سامنے ان کے کچھ کام نہ آئے اور انھیں حکم دیا گیا کہ جہنم میں داخل ہونے والی عورتوں کے ساتھ تم بھی داخل ہو جاؤ۔ ایک مقام پر ارشاد ہوا کہ اے نبیؐ کی بیویو! تم میں جو نیک اور اچھے عمل کرنے والی ہیں ان کے لئے خدا نے بہت بڑا اجر مقرر کیا ہے۔ اور اے نبیؐ کی بیویو! اگر تم میں سے کسی نے کوئی نازیبا حرکت کی تو اس کے لئے دوگنا عذاب مقرر کیا جائے گا۔

یہ تمام آیتیں صریحی طور پر یہ بتاتی ہیں کہ ازواج معصوم نہ تھیں ان سے خطاؤں اور غلطیوں کا ہر وقت امکان تھا اور خطاؤں پر ان سے بھی اسی طرح مواخذہ ہوگا جس طرح عام عورتوں اور مردوں سے بلکہ ارشاد الٰہی کے مطابق وہ اور زیادہ قابل مواخذہ ہوں گی ——— اور یہی شیعہ فرقہ کا نظریہ ہے۔

اعترافات عائشہ

جادو وہی ہے جو سر چڑھ کے بولے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت عائشہ، امیر المومنین سے بغض و حسد اور عداوت رکھتی تھیں اور اگر ان کا بس چلتا تو وہ ابوطالب کے بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے زہر دے دیتیں۔ اس عداوت اور دشمنی کے باوجود ام المومنین کی زبان سے امیر المومنین کے جو فضائل بیان ہوئے ہیں وہ یقیناً معجزاتی ہیں اور مناسب یہی ہے کہ وہ قارئین کرام کے ایمانی و روحانی ذوق کی آسودگی کے لئے پیش کر دیے جائیں۔

(۱) جابر سے روایت ہے کہ میں ایک دن عائشہ کے پاس گیا اور ان سے پوچھا کہ حضرت علیؑ کے بارے میں آپ کیا فرماتی ہیں، یہ سن کر وہ تھوڑی دیر تک سر جھکائے کچھ سوچتی رہیں پھر ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ جب سونا کسوٹی پر کسا جاتا ہے تو کھرے کھوٹے کی شناخت ہو جاتی ہے۔ جنگ جمل کے بعد مجھے بھی کھرے اور کھوٹے کا فرق معلوم ہو گیا اور علیؑ ہمارے درمیان یوں ہیں جیسے کسوٹی ہوتی ہے۔

(کنز المدفون سیوطی ص ۲۳۶، استیعاب ج ۳ ص ۳۲۸)

(۲) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسولؐ اللہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جو علیؑ پر خروج کرے گا وہ جہنمی ہوگا" یہ سن کر کسی نے عائشہ سے سوال کیا کہ تو پھر آپ نے خروج کیوں کیا؟ کہا، میں اس حدیث کو بھول گئی تھی اور اب میں توبہ استغفار کرتی ہوں۔

(ینابیع المودۃ ج ۲ ص ۱۷، بیروت)

(۳) حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ سبقت کنندہ صرف تین ہیں۔ یوشع بن نون جنھوں نے موسیٰؑ کی طرف سبقت کی۔ صاحب یٰسین جس نے عیسیٰؑ کی طرف سبقت کی اور علیؑ ابن ابی طالب جنھوں نے میری طرف سبقت کی"۔

(صواعق محرقہ ص ۱۲۳)

(۴) کسی نے عائشہ سے پوچھا کہ رسولؐ اللہ سب سے زیادہ کس کو دوست رکھتے

تھے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ علیؑ کو جو بڑے روزہ دار پرہیزگار اور نمازی تھے۔

(صحیح ترمذی ج ۲ ص ۴۷۵، ریاض نضرہ ج ۲ ص ۲۱۳)

(۵) جمیع ابن عمیر سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں اپنی ماں کے ساتھ عائشہ کے پاس گیا تو انھوں نے عائشہ سے حضرت علیؑ کے بارے میں سوال کیا تو ام المومنین نے جواب میں فرمایا کہ خدا کی قسم! میں کسی ایسے مرد کو نہیں جانتی جو پیغمبرؐ کو علیؑ سے زیادہ محبوب ہو اور نہ روئے زمین پر کوئی ایسی عورت جو فاطمہؑ سے زیادہ رسولؐ کو عزیز ہو۔

(مستدرک ج ۳ ص ۱۵۴)

(۶) حضرت عائشہ نے امیر المومنین حضرت علیؑ کے بارے میں فرمایا کہ وہ تمام خلائق سے زیادہ سنت نبیؐ کے جاننے والے تھے۔

(ذخائر العقبیٰ ص ۸۷)

(۷) عائشہ فرماتی ہیں کہ "علیؑ کا ذکر عبادت ہے"۔

(مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۵۲)

(۸) عائشہ فرماتی ہیں کہ یا علیؑ! آپ کے لئے یہ بات کافی ہے کہ آپ کے چاہنے والوں کے لئے نہ موت کے وقت حسرت ہوگی، نہ قبر میں وحشت ہوگی اور نہ قیامت میں دہشت ہوگی۔

(ینابیع المودۃ ج ۲ ص ۸۱)

(۹) عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ابوبکر کو دیکھا کہ وہ علیؑ کے چہرے کی طرف بہت دیکھا کرتے ہیں تو میں نے ان سے پوچھا کہ اے ابا جان! آپ علیؑ کے چہرے کو بہت دیکھتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے رسولؐ اللہ سے سنا ہے کہ علیؑ کے چہرے پر نظر کرنا عبادت ہے۔

(ریاض النضرہ ج ۲ ص ۲۹۱)

(۱۰) ام المومنین عائشہ فرماتی ہیں کہ میں ایک دن خدمت رسولؐ میں حاضر تھی کہ اتنے میں علی ابن ابی طالب داخل ہوئے۔ انھیں دیکھ کر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "یہ سید العرب" ہیں۔ (صواعق محرقہ ص ۲۰ ط قاہرہ، کنزل العمال ج ۶ ص ۱۵۷، ینابیع المودۃ ص ۲۴۸

ارجح المطالب ص ۲۰)

(۱۱) عطا سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ علیؑ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا وہ خیر البشر ہیں اور تمام انسانوں سے بہتر و افضل ہیں جو اس میں شک کرے وہ کافر ہے۔ (ینابیع المودۃ ص ۲۴۶)

(۱۲) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ خدا نے کوئی مخلوق ایسی پیدا نہیں کی جو رسولؐ کی نظر میں علیؑ ابن ابی طالبؑ سے زیادہ محبوب ہو۔

(کفایۃ الطالب ص ۱۸۴)

مذکورہ اقوال عائشہ، عقیدتمندان ام المومنین کے لئے لمحۂ فکریہ ہیں۔

تمام شد

فروغ کاظمی

۲۶/جولائی ۱۹۹۵ء

برائے ایصال ثواب
سید نثار حسین ابن رمضان علی
اختر النساء بنت علی جان
سید علی انصر ابن شبیر حسن
سیدہ حسنیٰ بنت اخلاق حسین

نگرانئ اِمام میں ہو گا یہ نیک کام
اچّھا ھے وقت خواب کی تعبیر کے لئے
محشر میں فاطمۂ تجھے کر دیں گی سرخرو
اٹھ جنّت البقیع کی تعمیر کے لئے
آصف لکھنوی

Nigrani-e-Imam main hoga yeh nek kaam,
Achchha hai waqt khwab ki tabeer ke liye,
Mahshar main Fatema (s.a) tujhe kardengi surkhroo,
Uth Jannatul Baqi ki tameer ke liye.
Late: - Asif Lucknowi